ہماری خوش فہمی

اسماعیل بن المقری الشافعی کہتے ہیں:

تقول مع العصيان ربي غافر صدقت ولكن غافر بالمشيئة

''گناہ کرتے جاتے ہو اور کہتے ہو: میرا رب بخشنے والا ہے۔ ٹھیک کہتے ہو لیکن وہ مرضی سے بخشتا ہے۔''

وربك رزاق كما هو غافر فلم لم تصدق فيهما بالسوية

''تمھارا رب جیسے غافر ہے اسی طرح رازق بھی ہے۔ پھر ان دونوں ناموں کی یکساں تصدیق کیوں نہیں کرتے۔''

فإنك ترجو العفو من غير توبة ولست براجي الرزق إلا بحيلة

''درگزر کی اُمید تو بغیر توبہ کے کرتے ہو۔ جب کہ رزق کی اُمید حیلے کوشش کے بغیر نہیں کرتے۔''

على أنه بالرزق كفل نفسه لكل ولم يكفل لكل بجنة

''حالانکہ رزق کا تو اس نے سب کے لیے ذمہ لیا ہے جب کہ ہر ایک کے لیے اُس نے جنت کا ذمہ نہیں لیا۔''

حدیث اعمال کی اخلاقی حیثیت

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إنما الأعمال بالنيات ، إنما لكل امرئ مانوى ، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ماهاجر إليه .))(صحيح بخاري)

''اعمال کا تعلق تو نیتوں سے ہے۔ ہر شخص وہی کچھ پائے گا جو اس کے دل میں ہے۔ سو جس نے ہجرت دنیوی مقصد کے پیشِ نظر کی یا اس لیے مہاجر بنا کہ کسی عورت سے شادی کر لے۔ تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی ہجرت اسی کام کے لیے ہوگی۔''

ان فقہی تفریعات و مسائل سے قطع نظر جو صرف اس ایک حدیث سے ترتیب پاتے ہیں، دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس میں ایک اخلاقی اُصول مضمر ہے، اس میں انسان کی عملی زندگی کے لیے ایک بلند تر معیار پیش کیا گیا ہے۔ عام طور پر مذاہب واَخلاق کے مختلف مدرسوں نے خیر و شر کی بحث کرتے ہوئے صرف اعمال کے ظواہر پر نظر رکھی ہے اور صرف قشر و جلد کو دیکھا ہے۔ اس لیے قدرتاً نیکی و بُرائی کے لیے اُنھوں نے اعمال کی ضخامت و حجم یا اُن کے نتائج و عواقب کو کسوٹی قرار دیا ہے۔ اس سے قطعی بحث نہیں کی کہ اعمال کے اس باطنی شعور کو ٹٹولا جائے اور انسان کے دریچۂ دل میں جھانک کر دیکھا جائے کہ خود اس کے نزدیک اعمال کن محرکات کا نتیجہ ہیں۔ اس نقطۂ نظر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات کو عملی زندگی میں کوئی مضبوط اساس نہ مل سکی اور وہ محض ایک فن ہو کر رہ گئے۔

اس حدیث میں جس باطنی شعور اور بلند تر اَخلاقی اساس و معیار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اخلاص ہے، یعنی یہ جذبہ پنہاں کہ آپ کے اعمال کا سارا کارخانہ اللہ تعالیٰ کی خوش نُودی کے قصد و اِرادہ سے قائم ہے اور اس میں ریاکاری اور دکھاوے کو کوئی دخل نہیں۔ یہ حدیث ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اعمال کا ظاہری رنگ و روغن حُسن نہیں، اصل حسن اخلاص میں ہے۔ یہاں دل کی دنیا میں اگر اس کا دَور دَورہ ہے تو پوری عملی زندگی مرصّع ہے، ورنہ بڑے سے بڑا عمل محض بے کار۔ (مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

29 ربیع الاول 1435ھ جمعۃ المبارک 31 جنوری تا 06 فروری 2014ء

الاعتصام

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 05 جلد 66

جواہر پارے	ہماری خوش فہمی		
کلمہ طیبہ	حدیث اعمال کی اخلاقی حیثیت	(مولانا محمد حنیف ندوی)	
اداریہ	کلید نجات	(حافظ احمد شاکر)	3
درس قرآن	تفسیر سورة الصّفّت ......(۳۸)	(مولانا ارشاد الحق اثری)	5
درس حدیث	أربعين اعتقادي ......(۳۰)	(ریاض عاقب اثری)	8
افتاء	تحفظ ناموس صحابہ......	(مفتی عبید اللہ خاں عفیف)	9
مقالات علمیہ	اللہ تعالی اور بندے کی آپس میں محبت......(۸)	(موہب الرحیم)	11
تذکرہ علمائے اہل حدیث	حضرت مولانا محمد یوسف راجووالوی	(محمد اسحاق بھٹی)	15
تحقیق و تدقیق	تصوف نقل و عقل کی روشنی میں......(۴)	(صہیب حسن فضل حق)	18
حالات حاضرہ	بری راہوں کے مسافر	(محمد سلیم چنیوٹی)	28
تبصرہ کتب	اے میری بہن......صہیونیت	(أم عبد منیب۔محمد سلیم چنیوٹی)	30
فہرست کتب	فہرست اردو کتب (محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری)		33
شعر و ادب	الحذر!	(شورش کاشمیری)	34

0333-4786507

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال
		-/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

کلیدِنجات

حافظ احمد شاکر

گزشتہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ سے وطن عزیز یعنی چاروں صوبوں میں ریموٹ کنٹرول بموں،خودکش حملوں،قتل وغارت کی وارداتوں اور کریکر دھماکوں کا طوفان آیا ہوا ہے۔عساکرِ پاکستان و دیگر سیکورٹی اداروں کے افراد کے علاوہ بیسیوں بے گناہ افراد کے لاشے اُٹھ چکے اور اُٹھ رہے ہیں جو وطن عزیز میں اغیار کی فرقہ ورانہ لسانی اور علاقائی فسادات کی اُنہی خواہشاتِ خبیثہ کا تسلسل ہے جس میں وہ طویل عرصہ سے کوشاں ہے، فرقہ واریت کو ہوا دے کر خانہ جنگی تک لانے کی ان کوششوں میں اب تک وہ اس لیے کامیاب نہیں ہوسکا کہ تمام مسالک کے علماء یہ جان چکے ہیں کہ کسی بھی مسلک کا کوئی پیروکار اس طرح کی گھناؤنی حرکتیں نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی بھی فرقہ کا کوئی خطیب،عالم یا مدرس اس انداز کی تعلیم دے سکتا ہے اور نہ ہی تربیت کرسکتا ہے،کیوں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قتل ناحق ایک ایسا کبیرہ گناہ ہے جس کی سزا جہنم کی ہمیشگی ہے۔

ہماری رائے......جس پر اصرار نہیں......کے مطابق جب سے قومی سلامتی کے ذمہ داران کی جانب سے یہ اعلان اخبارات میں آیا ہے کہ غیر ملکی خیراتی اداروں......N.G.O's......کی نگرانی سخت کی جائے گی اور پاکستان میں بلیک واٹر جیسی تخریب کار خفیہ تنظیموں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔اس کے بعد دہشت گردی کی رفتار بہت تیز ہوگئی ہے۔کچھ ہی دن بعد جناب وزیراعظم کا یہ بیان کہ''اب مشکل فیصلوں کی ٹھان لی'' ہے کہ متصل ہی ان''مجرمانہ،ظالمانہ اور خونی وارداتوں میں'' مزید اضافہ بھی ہوگیا اور شدت بھی آچکی ہے۔اس دہشت گردی سے سب سے زیادہ وہ مذاکرات متاثر ہوئے جو طالبان سے کیے جانے تھے،جس کا فیصلہ امن پسند عوام کی خواہشات کے مطابق آل پارٹیز کانفرنس میں اتفاق رائے سے سیاسی جماعتوں نے حکومت کو جن کا اختیار دیا تھا۔

دہشت گردی کی ان وارداتوں کو ہوا دینے اور طالبان کی طرف ان کی نسبت کرنے میں ذرائع ابلاغ خصوصاً عالمی ذرائع ابلاغ کا بھی بہت زیادہ دخل ہے،کہ جونہی کوئی واردات ہوتی ہے طالبان کی طرف سے ذمہ داری قبول کرنے اور واردات کا اعتراف ان کے سرمڑھنے کے اعلانات بھی ذرائع ابلاغ نشر کرنا شروع کردیتے ہیں اور اخبارات بھی''حسب تعلق''اعتراف کی خبر ٦ کالمی دیتے ہیں اور انکار کی خبر ایک کالمی اور وہ بھی کونے کھدرے میں ہوتی ہے۔حکومت کے علم میں بھی یہ معلومات یقیناً ہوں گی کہ سوات آپریشن کے دنوں کئی واقعات ہمارے سننے میں بھی ایسے آئے کہ بعض متشرع صورت افراد طالبان نامی گروہ سے جب گرفتار کیے گئے تو اُن میں بہت سے غیر مختون یعنی غیر مسلم پائے گئے،ہمارے تفتیش کاروں کو اب بھی اس نہج پر محنت و اخلاص سے تفتیش کرنی چاہیے کیوں کہ عقل یہ تسلیم کرنے سے انکار کردیتی ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو بے گناہ قتل کرے۔ممکن ہے طالبان میں کچھ ایسے ناہنجار بھی شامل ہوں یا غیر مسلم بھیس بدل کر اپنی خواہشات نفس یعنی جاہ و مال کی آرزو دین کی آڑ میں پوری کرنے کے خواہاں ہوتے ہوں تو یہ کسی بھی دین پسند مسلمان بلکہ معقول انسان کی طرح ہم بھی نہ صرف ان کے طریق کار کی تائید نہیں کرسکتے بلکہ اس طرح کی حرکات کو دین،وطن اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ جانتے ہوئے ان کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔حکم رانوں اور مملکت کی حکمت عملی طے کرنے والے افراد اور اداروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۰ پر غور کریں۔بار بار پڑھیں،اس کے تہہ منظر تک جائیں تاکہ حکم الٰہی ان پر آشکار ہو اور وہ اس پر عملاً ایمان لے لائیں کہ ان آلام و

مصائب سے چھٹکارے کی کلید یہی ہے۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے، وہ ہر ایسی چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مصیبت میں پڑو۔ ان کی شدید دشمنی تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے۔ بے شک ہم نے تمھارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں، اگر تم سمجھتے ہو۔ دیکھو! تم وہ لوگ ہو کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیوں کی پوریں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ کہہ دے اپنے غصے میں مر جاؤ، بے شک اللہ سینوں کی بات کو خوب جاننے والا ہے۔ اگر تمھیں کوئی بھلائی پہنچے تو انھیں بری لگتی ہے اور اگر تمھیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر خوش ہوتے ہیں۔''

دہشت گردی بلکہ ہر جرم کی روک تھام صرف اس ایک ہی طریقہ سے ممکن ہے جس کی طرف شریعت نے ہماری راہ نمائی کی ہے اور دور حاضر میں سعودی حکومت کا قانون اور اس کے نفاذ کی تابناک مثال ہمارے سامنے ہے کہ ❁ جرم کا انصاف پر مبنی فوری فیصلہ ❁ فیصلہ کے اعلان سے قبل تمام بالا عدالتوں کی توثیق ❁ پھر اس عدالتی فیصلے کا اعلان اور سر عام اس فیصلے کا نفاذ۔ اس طریق کار میں مسلکی، لسانی، سیاسی، علاقائی، ملکی و غیر ملکی تمام شر پسندوں اور تخریب کاروں کے لیے ایک ہی طریق کار ہونا چاہیے۔ نیز مذہبی، سیاسی اور لسانی جماعتوں کی عسکری ونگوں پر بغیر کسی رد رعایت کے قانوناً پابندی لگا دینی چاہیے اور سب سے اہم بات یہ کہ پبلک میں بارود...... آتش بازی...... وغیرہ کا کھیل کلیتاً ختم کر دیا جائے۔

جناب وزیر اعظم کا بیان کہ ''اب مشکل فیصلوں کی ٹھان لی ہے'' نہ جانے یہ مشکل فیصلے کن کے لیے کیے جانے ہیں؟

❁ اگر اس سے مراد عوام کے لیے مشکل فیصلے ہیں تو ان کی زندگی گزارنے کے لیے کیا...... مہنگائی جیسے...... ابھی تک مشکل فیصلے بھی باقی ہیں؟ کہ عوام کو اب اگر مرنا بھی آسان نہیں لیکن، مر کر وہ غم حیات سے نجات تو پا لیتے ہیں جب کہ جینا مرنے سے مشکل ہو چکا ہے کہ نہ کھانے کے لیے آٹا، نہ پکانے کے لیے دال سبزی اور نہ جلانے کے لیے ایندھن!

❁ اگر یہ مشکل فیصلے...... اغیار کے معتوب...... مسلمانوں کے لیے ہیں تو میاں صاحب اور ارباب حکومت کی خدمت میں قرآن کی سورۂ فتح کی آیت ۲۹ کا ترجمہ پیش کرنا ہم اپنی ذمہ داری اور فرض جانتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ:

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔''

❁ اگر مشکل فیصلوں کا عزم اغیار کے لیے ہے تو اس نوید کے ساتھ ''چشم ما روشن دل ما شاد'' کہ اس فیصلے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت یقیناً آپ کے شامل حال ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ محمد کی آیت ۷ میں فرمایا ہے کہ:

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ...... یعنی اس کے دین...... کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔''

❁ مشکل فیصلوں کا اشارہ معیشت کی طرف ہونا بھی عین ممکن بلکہ وطن عزیز کے معاشی حالات کا اہم ترین تقاضا ہے۔ تو اس کے لیے مشکل فیصلوں نہیں بلکہ صرف سود سے نجات کا ایک فیصلہ ہی اگر میاں صاحب کر لیں تو ہمارا ایمان ہے کہ وطن عزیز کی زمین یقیناً سونا اگلے گی اور آسمان اس سرزمین پر ہن برسائے گا۔ اس سے صرف معاش و معیشت ہی نہیں، سیاست، تجارت سب کچھ سدھر جائے گا اور وطن عزیز کے سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اور نہ کمزور بنو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو اگر تم مومن ہو۔''

درس قرآن — قسط نمبر ۳۸

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ٥ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ٥ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ٥﴾

[الصّٰفّٰت: ۷۵-۷۷]

''اور بلاشبہ یقیناً نوح نے ہمیں پکارا تو یقیناً ہم اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے ان کی اولاد ہی کو باقی رہنے والے بنا دیا۔''

پہلی آیات میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجے جانے اور ان کی نافرمانی کے نتیجے میں ان کی اُمتوں کے انجام کا اجمالاً ذکر تھا، اب یہاں سے بہ قدرِ ضرورت اسی تفصیل ہے، چنانچہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اُمت کا ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ﴾ ''اور بلاشبہ ہمیں نوح نے پکارا''۔ نادی ینادي ، النداء سے ہے جس کا معنی پکارنا، فریاد کرنا، آواز دینا اور بلانا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس ندا سے یہاں مراد آپ علیہ السلام کی وہ فریاد ہے جو اُنھوں نے اپنی قوم کو طویل مدت تک دعوت دینے کے بعد قوم سے مایوس ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کی تھی، جس کا ذکر سورۂ نوح میں یوں ہوا ہے:

﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا٥ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا٥﴾ [نوح: ۲۶، ۲۷]

''اور نوح نے کہا: اے میرے رب! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑ۔ بے شک تُو اگر انھیں چھوڑے رکھے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور کسی نافرمان، سخت منکر کے سوا کسی کو نہیں جنیں گے۔''

سورۃ الشعراء میں اسی پکار کو اِن الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ٥ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ٥﴾

[الشعراء: ۱۱۷، ۱۱۸]

''اس نے کہا: میرے رب! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ پس تُو میرے درمیان اور اُن کے درمیان کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں، انھیں بچا لے۔''

قوم کی طرف سے یہ مایوسی و نا اُمیدی محض ان کا اپنا فیصلہ نہ تھا۔ قوم ایمان لائے یا نہ لائے نبی نے اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کرنا ہوتا ہے۔ قوم کی ہٹ دھرمی اور کفر و شرک پر قائم رہنے کی اطلاع اللہ تبارک و تعالیٰ نے کر دی تھی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ٥﴾ [هود: ۳۶]

''اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا، پس تُو اس پر غمگین نہ ہو جو وہ کرتے رہے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اطلاع کے بعد حضرت نوح علیہ السلام قوم سے مایوس ہو گئے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔ اس

فریاد کے ایک مقام پر اَلفاظ یہ بھی ہیں:

﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝﴾[القمر: ١٠]

''اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب ہوں، تو تُو بدلہ لے۔''

حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا، حدیث شفاعت میں ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اولادِ آدم قیامت کے روز پہلے آدم علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائے گی اور ان سے عرض کرے گی:

"يا نوح! أنت أول الرسل إلى أهل الأرض، وسماك الله عبداشكورا." (صحيح بخاري، رقم: ٣٣٤٠، صحيح مسلم، رقم: ١٩٤)

''اے نوح! آپ اہل ارض کی طرف پہلے رسول ہیں اور اللہ نے آپ کا نام عبداً شکوراً رکھا ہے۔''

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کے ایک سو چھبیس (١٢٦) برس بعد ہوئی ہے۔ مگر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، آپ علیہ السلام سے کلام کیا گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا ہے)۔'' اس نے کہا: آپ ﷺ کے درمیان اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دس قرن، ۳۱۵ رسول ہوئے ہیں۔'' بعض روایات میں انبیاء علیہم السلام کا شمار ایک لاکھ ۲۴ ہزار بھی آیا ہے۔ (صحيح ابن حبان: ٨/ ٢٤، رقم: ٦١٥٧، الصحيحة، رقم: ٢٦٦٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے مابین دس قرن تھے اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (البداية: ١/ ٩٤)

قرن سے مراد اگر صدی ہے، جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے تو دونوں کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہوگا۔ قرن کا معنی ایک زمانے کے لوگ یا ایک نسل اور ایک اُمت بھی لیا گیا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ﴾[الإسراء: ١٧]

''اور ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے۔''

اسی طرح فرمایا گیا ہے:

﴿وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا﴾

[يونس: ١٣]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تم سے پہلے بہت سے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے جب اُنھوں نے ظلم کیا۔''

رسول اللہ ﷺ کا بھی فرمان ہے:

((خير الناس قرني.))

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں۔''

یوں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال کی مدت معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ایک نسل کے لوگ اس وقت صدیوں تک زندہ رہتے تھے، واللہ اعلم۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی ستائیس سورتوں میں ہوا ہے۔ اور ان کا شمار اُن پانچ اولوالعزم انبیائے کرام علیہم السلام میں ہوا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (آیت: ٧) اور سورۃ الشوریٰ (آیت: ۱۳) میں اکٹھا ذکر کیا ہے۔ انھیں آدم ثانی کا لقب دیا گیا ہے کیوں کہ ان کے ہم راہ کشتی میں بچ جانے والوں میں سے ان کی ذریت ہی کی نسل آگے چلی، جیسا آگے (الصّٰفّٰت، آیت: ٧٧) ذکر آرہا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک قوم میں رہے۔ (العنکبوت: ۱۴) آپ علیہ السلام رات دن اپنا فریضۂ دعوت اَدا کرتے رہے۔ علانیہ اور سرعام اجتماعی طور پر بھی دعوت دی اور پوری خیر خواہی اور رازداری سے فرداً فرداً بھی دعوت دی۔ مگر ان کے تمرّد و

تکبر میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے خبردار کردینے پر قوم سے بالکل مایوس ہوگئے اور ان کے طعن و ملامت اور مخالفت سے تنگ آگئے تو اُنھوں نے بالآخر رب ذوالجلال کو پکارا، ان کی اس پکار کا ذکر سورۃ الانبیاء میں بھی ہے:

﴿وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِۚ﴾[الأنبیاء: ۷۶]

''اور نوح کو بھی جب اس نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کرلی، پھر اُسے اور اُس کے گھر والوں کو بہت بڑی گھبراہٹ سے بچالیا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا:

﴿فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ۠ۚ﴾ ''یقیناً ہم اچھے قبول کرنے والے ہیں۔'' یہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ ﴿نَادٰنَا﴾ اور ﴿الْمُجِیْبُوْنَ﴾ میں اپنے لیے جمع کا لفظ لائے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بادشاہ اپنے کلام میں کہتا ہے کہ ہم نے ایسے کیا اور ہم نے یہ حکم دیا وغیر ذلک۔ اللہ تعالیٰ مالک الملوک ہے، اس لیے اسی اسلوب میں فرمایا ہے کہ اس نے ہمیں پکارا، ہم اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ گویا جب کوئی کسی کو پکارتا اور بلاتا ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق ہی اس کا جواب دیتا ہے۔ مگر ہم قادر مطلق ہیں، ہر ایک کی پکار سنتے ہیں، ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہر وعدہ وفا کرتے ہیں۔

جو معاملہ اور صفت اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان مشترک ہو وہاں عموماً اللہ تعالیٰ کے وصف کے ساتھ ایسا لفظ یا اشارہ ہوتا ہے جس سے خالق و مخلوق کے مابین فرق واضح ہو جاتا ہے، جیسے یہاں ﴿فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ﴾ فرمایا ہے۔

یا جیسے نوح علیہ السلام نے خود ہی فرمایا تھا:

﴿وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ۝﴾ [هود: ٤٥]

''اور تُو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

اسی معنی میں ﴿اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾، ﴿خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴾، ﴿خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ﴾، ﴿خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ﴾، ﴿خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾، ﴿خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ﴾، ﴿اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾، ﴿خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ اور ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ ہے۔



حکیم محمد رفیق خلیق کی وفات

مورخہ ۲۳ جنوری ۲۰۱۴ء بہ روز جمعرات مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع ساہیوال اور الاحسان فاؤنڈیشن کسووال کے سرپرست اور رکن مجلس شوریٰ مرکزیہ پاکستان مولانا حکیم محمد رفیق خلیق صاحب انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ انتہائی ملنسار اور خوش اَخلاق شخصیت کے مالک تھے۔

آپ کا جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے فرزند ارجمند محترم حافظ عزیز الرحمٰن سلفی حفظہ اللہ نے غلہ منڈی کسووال میں پڑھایا۔ جنازے میں پنجاب بھر سے شیوخ کرام اور ہر مکتب فکر کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی حسنات کو قبول فرمائے اور اور ان کی سیئات سے درگزر فرمائے، آمین۔

(محمد احمد، ناظم: نشر و اشاعت مرکزی جمعیت اہل حدیث، کسووال)



درسِ حدیث

اربعین اعتقادی

ترجمہ وفوائد
حافظ ریاض عاقب اثری

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

باب ماجاء في ترك الغلو في الدين، وقول الله تعالیٰ:

﴿يَـٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّ﴾[النساء: ١٧١]

٣٠۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، سمع عمر رضی اللہ عنہ يقول على المنبر: سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ((لا تطروني كما أطرت النصارى ابن مريم، فإنما أنا عبده فقولوا: عبدالله و رسوله.)) (صحيح بخاري، رقم: ٣٤٤٥)

دین میں غلو سے ممانعت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو اور اللہ پر حق کے سوا کچھ نہ کہو۔''

۳۰: جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

فوائد:

۱: غلو کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے بارے اُلوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو حلال وحرام کا اختیار دے دیا، حالانکہ حلال وحرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اسی طرح کے غلو سے منع کیا ہے۔

۲: عیسائیوں کے غلو کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اُمت کو غلو سے منع فرمایا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إياكم و الغلو في الدين، فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو في الدين.))

(سنن نسائي، رقم: ٣٠٥٩)

''دین میں غلو کرنے سے بچو، اس لیے کہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو نے ہلاک وبرباد کر دیا۔''

۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اُمت محمدیہ کے بعض غالی لوگوں نے عیسائیوں کی پیروی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مقام سے اٹھا کر مقام اُلوہیت پر فائز کر دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر ومنزلت اور رفعتِ شان کے گویا نادانستہ طور پر انکاری بن گئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ طور عبد بیان فرمائی۔ فإنا لله وإنا إليه راجعون، هدانا هم الله إلى سبيل الرشاد.



افتـاء

تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے مسلمانوں کی ذمہ داری

مفتی محمد عبیداللہ خاں عفیف حفظہ اللہ (بانی مسجد امۃ العزیز اہل حدیث، فیصل آباد)

سوال محترم جناب مولانا مفتی عبیداللہ عفیف صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ ماہ محرم میں یوم عاشوراء پر جمعہ کے دن ہمارے شہر جوہرآباد میں سرعام اور انتظامیہ، امن کمیٹی کے ارکان اور عام مسلمانوں کی موجودگی میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان (رضي الله عنهم و رفعهم الله قدرهم) پر لعنت کی گئی۔ اور اس پر کوئی جماعت بھی حرکت میں نہ آئی، ایسے میں ایک عام مسلمان کو کیا کرنا چاہیے؟

کتاب وسنت کی روشنی میں راہنمائی کی درخواست ہے۔ اللہ تعالی ہمیں اپنے دین کے محافظوں میں شامل فرمائے، آمین۔

(ابوعمر، آفیسر کالونی جوہرآباد)

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب.

وعلیکم السلام۔ اس ماہِ محرم میں سرعام اور انتظامیہ، امن کمیٹی اور عام مسلمانوں کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم پر لعنت کا سن کر اور انتظامیہ، امن کمیٹی اور سنی حضرات کی غفلت پر سخت افسوس ہوا، کاش کہ ایسا نہ ہوتا! پُرامن صدائے احتجاج کی جرأت نہ ہونا اس بات کی عکاسی کر رہی ہے کہ سنیوں کے سینے تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم سے خالی ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت اور سچی محبت ہمارے (اہل السنۃ والجماعۃ اہل حدیث اور مذاہب اربعہ) نزدیک ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ اور اہل بیت سے نفرت تو درکنار نفرت کا تصور بھی ہمارے اعتقاد میں سراسر حرماں نصیبی ہے۔

مگر اس مذہبی اور نظریاتی المیے کا کیا کیا جائے کہ ہم رواداری کے نام پر اہل بیت کی عقیدت ومحبت کے غلو میں اس قدر رکھو چکے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ: محسنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابو بکر صدیق، دامادِ علی المرتضیٰ جناب عمر فاروق، ذوالنورین عثمان بن عفان، عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حقوق کے تحفظ میں ہماری رگِ احساس میں رمق تک باقی نہیں رہی کہ ہمارے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا جاتا ہے، لعنت لعنت کے آوازے کسے جاتے ہیں، پتلے جلائے جاتے ہیں (بہ استثناء حضرت علی، حضرت عمار، حضرت مقداد اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہم)، ابوبکر وعمر، عثمان اور عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملعون اور مرتد کہا جاتا اور لکھا جاتا ہے اور ہم رواداری کے نام پر تحفظ ناموس حقوق صحابہ رضی اللہ عنہم سے آنکھیں موند چکے ہیں اور گستاخانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے میدان فارغ کر دیا ہے۔

ہماری اس غیر ضروری رواداری (بلکہ مداہنت) کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بلا روٹ گلیوں، کوچوں میں جلوس نکالتے، چہلم سناتے اور دوسرے نام نہاد تہواروں پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے عناد اور عداوت کی بھڑاس نکالتے اور دندناتے پھرتے ہیں۔ واللہ! مجھے یہ کھٹکا پریشان کیے ہوئے ہے کہ کل بہ روز قیامت ہم ٹھیکے دارانِ تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے گریبان ہوں گے اور محسنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلفیہ بلافصل، دامادِ علی؛ عمر فاروق اور ذوالنورین عثمان بن عفان اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ ہوں گے......!!!

ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ تحفظِ حقوقِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہم ناکام ہو چکے ہیں۔ اور روزِ حساب علی رؤوس الاشھاد ہمیں اس

غفلت اور غیر ضروری رواداری کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا

محترم ابو عمر صاحب حفظہ اللہ! آپ نے تحفظِ حقوقِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جس غفلت اور سہل انگاری کی طرف جو اشارہ کیا ہے، یہ صحابہ کے حق میں آپ کے پاکیزہ احساس کا عکاس ہے، میں آپ کے اس مقدس جذبے کو سلام کرتا ہوں۔ مگر میرے دوست! یہ کام پوری اہل سنت و جماعت کا ہے، آپ تنہا اس ذمہ داری کے متحمل نہیں۔ تاہم آپ انفرادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اپنے فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنی تبلیغ اور تحریر جاری رکھیں۔ مگر ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل: ۱۲۵] کا پلہ نہ چھوڑیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ یوں ذاتی ذمہ داری سے عنداللہ سبکدوش ہو جائیں گے۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم.



مقالات علمیه

قسط نمبر ۸

اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت

اوراہل السنۃ والحدیث کے نزدیک اس کا معنی

موہب الرحیم

۱۶۔محبوب کے لیے غیرت کے جذبات:

اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ محبوب کے لیے غیرت ہو، یعنی اس کی عزت پر حرف نہ آنے دیا جائے اوراس کی مرضی کے خلاف ہونے والے ہر کام کوروکا جائے، وغیر ذلک۔

اور دوسری یہ کہ محبوب پر غیرت ہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی دوسرا اُس سے گفتگو نہ کرے، اس کے حسن وجمال کو بیان نہ کرے اور اس کے ساتھ اس کی محبت میں شریک نہ ہو وغیر ذلک۔ مختصراً ہم اسے جذبہ رقابت سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔

محبوب پر غیرت مخلوق کے لیے اس جگہ تو ٹھیک ہے کہ جہاں محبت میں مشارکت درست نہ سمجھی جاتی ہو۔ مگر ہم اللہ پر غیرت اس معنی میں نہیں کرسکتے کہ کوئی دوسرا میرے محبوب خدا کو نہ پکارے۔ بلکہ تمام مخلوق کو اللہ سے محبت کرتے ہوئے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اوراس کی اطاعت بجالاتے ہوئے دیکھنے کی خواہش رکھنی چاہیے۔

اس بارے میں صوفیاء کے بعض مشائخ نے بڑی غلطی کھائی ہے۔ شبلی سے پوچھا گیا: راحت کب پاتے ہو؟ جواب دیا: جب اس کا ذکر کرنے والا کوئی نہ پاؤں!

اسی طرح ابوالحسین نوری وغیرہ سے بھی اس بارے میں بڑی عجیب وغریب باتیں منقول ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ''الرسالة القشيرية'' (ص:۲۹۱)۔

محبوب کے لیے غیرت میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان اپنے دل میں محبوب کے علاوہ کسی کی محبت نہ رکھے بلکہ ہمہ وقت اسی کو راضی کرنے میں لگا رہے۔

غیرت کا اثبات اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بھی کیا ہے، اسی لیے اس نے زنا وغیرہ کو حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیر کی محبت کی مطلق اجازت نہیں دیتا مگر اس صورت میں کہ وہ محبت اس کی محبت اور منشا کے تابع ہو۔

کئی علماء نے لکھا ہے کہ اللہ رب العزت نے اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا کہ بیٹے کی محبت دل سے جاتی رہے۔

کہا گیا ہے کہ محبت کہتے ہی اسے ہیں کہ محبوب کی حرمت کی پامالی کا سوچ کر ہی غیرت آجائے۔ اور دل پر غیرت یوں ہوگی کہ اس میں غیر محبوب کو جگہ نہ دے:

”هي الغيرة للمحبوب أن تنتقص حرمته والغيرة على القلب أن يكون فيه سواه . “

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کی طرف وحی کی:

”يا داود !إني حرمت على القلوب أن يدخلها حبي وحب غيري فيها . “

(الرسالة ، ص: ۳۵٦)

''اے داود! میں نے یہ ناممکن کردیا ہے کہ ایک دل میں میری اور میرے غیر کی محبت جمع ہو۔''

کوئی بھی شخص اگر دو چیزوں سے محبت کرتا ہے تو لازمی بات ہے کہ وہ ان دونوں سے محبت کسی تیسری چیز کے لیے کرتا ہے۔ یوں نہیں ہوسکتا کہ وہ دونوں چیزیں محبوب لذاتہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کے دو دل نہیں بنائے۔ اور ایک وقت میں ایک ہی محبوب لذاتہ ہوسکتا ہے۔

❁……﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الأنبياء:٢٢]

''اگر ان میں اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہوتا تو دونوں برباد ہو جاتے۔''

الٰہ وہ ہوتا ہے کہ دل جس سے غایت درجے کی محبت کر کے اس کے تابع ہو جائیں، کوئی بھی حرکت اس کی منشا کے خلاف کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ اور دل میں اللہ ہی کی محبت جاگزیں ہو جائے۔

اولاد اور مال و دولت کی ناجائز محبت کی سنگینی سے خبردار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بہ طور تنبیہ ارشاد فرمایا:

❁……﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ [التغابن :١٥]

''تمھارے مال اور اولاد محض فتنہ ہیں۔''

❁……﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾[التغابن:١٤]

''یقیناً تمھاری بیویوں بچوں میں سے کچھ تمھارے دشمن ہیں، سو اُن سے ہوشیار رہو۔''

اس کے علاوہ اور بھی محبت کی علامات ہیں جن سے ہم صرف نظر کرتے ہیں، مثلاً: محبوب کا نام سن کر دل کی دھڑکنوں کا بے ترتیب ہو جانا، محبوب سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہونا، محبوب کی طرف کنکھیوں سے دیکھنا وغیرہ۔

محبت کے بارے میں مشائخ کے اقوال:

حارث المحاسبی کہتے ہیں:

''المحبة ميلك إلى المحبوب بكليتك، ثم إيثارك له على نفسك وروحك ومالك، ثم موافقتك له سرا وجهرا، ثم علمك بتقصيرك في حبه.'' (الرسالة القشيرية، ص: ٣٥٣)

''محبوب کی طرف کلیتاً میلان، پھر اپنے نفس و روح اور مال پر اس کو ترجیح دینا، ظاہراً و باطناً اس کی موافقت کرنا اور پھر اسی کی محبت میں اپنی کوتاہی کو جاننے کا نام محبت ہے۔''

ابن عطاء کہتے ہیں:

''المحبة إقامة العتاب على الدوام.''

(الرسالة القيشرية، ص:٣٥٤)

یعنی محبت مسلسل عتاب کا نام ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وقت محبوب کے بارے میں خود کو سرزنش کرتا رہتا ہے کہ تم نے اس سے محبت کا حق ادا نہیں کیا اور اس کی محبت جو تم سے تقاضا کرتی تھی اسے تم نے پورا نہیں کیا۔

ابو یزید البسطامی کا قول:

''المحبة استقلال الكثير منك لمحبوبك واستكثار القليل منه إليك.''

(الرسالة القشيرية، ص: ٣٥٠)

''محبت اسے کہتے ہیں کہ محبوب کے لیے اپنی خدمت کو تھوڑا اور حقیر جاننا اور محبوب کی نوازشوں کو تھوڑی بھی ہو تو زیادہ سمجھنا۔''

محبت کی یہ تعریف اس اعتبار سے درست ہے کہ محبت کا معنی اسی مفہوم کا متقاضی ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب محبت بے لوث ہوگی اور محبوب کا حد درجہ ادب دل میں موجود ہوگا۔ فی الحقیقت ایسی محبت صرف اللہ ہی سے درست ہے کیوں کہ انسان اس کی نعمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتا اور اس وقت تو یہ ناممکن ہو جاتا ہے جب ہم اس کی بے شمار اور احاطے سے باہر نعمتوں کی طرف ایک نظر اُٹھاتے ہیں، چنانچہ ان نوازشوں کے مقابلے میں اس کی اطاعت بالکل تھوڑی ہوتی ہے۔

قليلك يغنيني ولكن
لقليلك لا يقال قليل

''تیری تھوڑی سی عطا بھی مجھے غنی کر دیتی ہے لیکن تیرے تھوڑے کو بھی تھوڑا نہیں کہا جا سکتا۔''

رویم کہتے ہیں:

"المحبة الوفاء مع الوجل والخدمة مع طلب الوصل والأمل." (تهذيب الأسرار، ص:٦٠)

''خوف کے ساتھ وفاداری اور وصل واُمید کی طلب گاری کے ساتھ خدمت کرنے کو محبت کہتے ہیں۔''

گویا محبوب کی وفاداری کرتے ہوئے اس سے خوف بھی رہتا ہے اور اس کی خدمت بجالاتے ہوئے جہاں اس کی ملاقات کا شوق رکھتا ہے وہیں اس سے ملاقات کے لیے پُر اُمید بھی ہوتا ہے۔

ایک مومن کی شان یہی ہوتی ہے۔ یہ چیزیں: خوف، اُمید اور محبت عبادت کے اہم اجزاء ہیں۔عبادت کے اندران میں سے کوئی ایک وصف بھی اگر شامل نہ ہو تو وہ عابد بدعتی ہوگا۔

بہ الفاظ دیگر اسے یوں سمجھیں کہ اللہ رب العزت کی دو اہم صفات ہیں: (۱) غضب سے متعلق۔(۲) رحم سے متعلق۔ مومن پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر ایمان لائے۔ جو شخص عبادت میں صرف خوف کو مدنظر رکھتا ہے، اس نے اللہ رب العزت کی بخشنے والی اور رحم کرنے والی صفت کا خیال نہیں رکھا، یعنی اس سے اُمیدِ کرم نہیں رکھی تو گویا اللہ رب العزت کو متہم کر رہا ہے۔

اسی طرح اللہ سے صرف اُمید وابستہ کرنے والا شخص جو عبادت کے ساتھ خوف کو شامل حال نہ کرے گویا وہ اپنی تقدیر، اپنے عمل اور اپنی عبادت پر توکل کیے بیٹھا ہے۔

اور صرف محبت کے ساتھ عبادت کرنے والا ان دونوں صفات کو بھول جاتا ہے۔گویا وہ صحیح معنوں میں اللہ کی صفات کا معطل ہے۔

محض خوف سے عبادت کرنے والے نے صرف صفاتِ جلال کا خیال کیا ہے، صرف اُمید سے عبادت کرنے والے نے اللہ کی صفاتِ اِکرام پر یقین کیا ہے اور صرف محبت کے ساتھ عبادت کرنے والے نے ان دونوں قسم کی صفات کو بھلا دیا ہے۔

اس لیے عبادت محبت، خوف اور اُمید تینوں کے ساتھ ہونی چاہیے۔سلف میں سے کسی کا قول ہے:

"من عبد اللّٰه بالحب وحده فهوزنديق، ومن عبده بالرجاء فهومرجئ، ومن عبده بالخوف وحده فهو حروري، ومن عبده بالحب والخوف والرجاء فهو مؤمن موحد."

(مجموع الفتاوى:١٥/ ١٢)

''جس نے صرف محبت کے ساتھ اللہ کی عبادت کی وہ زندیق ہے، جس نے صرف اُمید کے ساتھ اللہ کی عبادت کی وہ ارجاء کا عقیدہ رکھتا ہے، جس نے محض خوف کے ساتھ اللہ کی عبادت کی وہ حروری (خارجی) ہے۔اور جس نے محبت، خوف اور اُمید تینوں کے ساتھ اللہ کی عبادت کی تو وہ مومن موحد ہے۔''

غور کریں کہ صرف محبت کے ساتھ عبادت کرنے والے کو زندیق کہا گیا کیوں کہ وہ اصل میں صفات کا معطل ہے۔ جب کہ محبت خوف اور اُمید تینوں کے ساتھ عبادت کرنے والے کو موحد مومن گردانا گیا ہے کہ اس طرح تمام صفات پر ایمان ظاہر ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:

"من أعطى شيئا من المحبة ولم يعط مثله من الخشية فهو مخدوع."

(الرسالة القشيرية، ص: ٣٥٤)

''جسے محبتِ الٰہی کا کچھ حصہ عطا کیا گیا لیکن اسے اس جیسا خوف نہ دیا گیا تو ایسا شخص فریب یافتہ ہے۔''

ابوعلی الجوزجانی کہتے ہیں:

"ثلاثة أشياء من عقد التوحيد: الخوف والرجاء والمحبة. فزيادة الخوف من كثرة الذنوب لرؤية الوعيد، وزيادة الرجاء من اكتساب الخير لرؤية الوعد، وزيادة المحبة من كثرة الذكر لرؤية المنة. فالخائف لايستريح من

الهرب، والراجي لايستريح من الطلب والمحب لا يستريح من ذكر المحبوب . فالخوف نار منورة، والرجاء نور منور، والمحبة نور الأنوار . " (طبقات الصوفية، ص: ٢٤٦)

''تین چیزیں عقدِ توحید سے ہیں: خوف، رجاء اور محبت ۔ گناہوں کی کثرت سے خوف کی زیادتی، وعید کو دیکھنے کی وجہ سے ہے، خیر کو کمانے کی اُمید میں زیادتی وعدے کو دیکھنے کی وجہ سے ہے اور ذکر کی کثرت سے محبت کی بڑھوتری احسان کو دیکھنے کی یہ دولت ہے۔ پس ڈرنے والا دوڑنے کو نہیں چھوڑتا، اُمید کرنے والا طلب میں لگا رہتا ہے اور محبت کرنے والا محبوب کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ پس خوف روشن آگ ہے، اُمید روشن نور اور محبت نور الانوار ہے۔''

غور فرمایئے کہ وعدو وعید اور احسان کا اللہ رب العزت کی صفات سے کتنا گہرا تعلق ہے۔

حاتم الاصم کہتے ہیں:

"أصل الطاعة ثلاثة أشياء: الخوف والرجاء والحب، وأصل المعصية ثلاثة أشياء: الكبر والحرص والحسد . "(طبقات الصوفية: ٢٠٤)

''اطاعت کی بنیاد تین چیزیں ہیں: خوف، رجا اور محبت۔ اور معصیت کی اصل بھی تین چیزیں ہیں: تکبر، حرص اور حسد۔''

ذوالنون مصری سے مروی ہے:

"قل لمن أظهر حب الله: احذر أن تذل لغير الله . "(تهذيب الأسرار للخركوشي، ص: ٥٦)

''جس نے اللہ کی محبت ظاہر کی اس سے کہہ دو کہ غیر اللہ کے آگے جھکنے (ذلیل ہونے) سے بچے۔''

کیوں کہ جب وہ کسی اور کے لیے بھی ایسی محبت کے جذبات رکھے گا، پھر صرف اللہ سے محبت تو باقی نہ رہی۔ (واللہ اعلم)

ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی کہتے ہیں:

"أشدهم حبا لله أشدهم له تذللا وأكثرهم لشفقة ونصيحة لخلق الله أجمعين . "

(تهذيب الأسرار للخركوشي، ص: ٦١)

''اللہ تعالی سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا اس کے لیے سب سے زیادہ تواضع اختیار کرنے والا، سب سے بڑھ کر خلقِ خدا پر مشفق اور ان کا خیر خواہ ہوتا ہے۔''

جناب ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"لئن شئتم لأقسمن لكم، إن أحب عباد الله إلى الله الذين يحبون الله ويحببون الله إلى خلقه . أن شئتم لأقسمن لكم، إن أحب عباد الله إلى الله رعاة الشمس والقمر يمشون في الأرض نصحاء . " (الزهد لوكيع، رقم: ٣٤٥)

''اگر تم چاہو تو میں قسم اُٹھانے کو تیار ہوں، بلاشبہ اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جو اللہ سے محبت کرتے اور اس کی مخلوق میں بھی اسے محبوب بنانے میں کوشاں رہتے۔ اگر تم چاہو تو میں تمھارے لیے قسم کھاتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب (اس کے ذکر کے لیے) سورج چاند کا خیال رکھنے والے زمین پر مجسم خیر خواہ بن کر چلنے والے ہیں۔''

لقمان حکیم سے مروی ہے کہ اُنھوں نے اپنے بیٹے سے کہا:

"المحب الله تعالى ثلاث علامات: كثرة الصيام، كثرة الصدقة، كثرة الصلاة . "

(تهذيب الأسرار، ص: ٥٩)

''اللہ سے محبت کرنے والے کی تین علامات ہیں: کثرتِ صیام، کثرتِ صدقہ اور کثرتِ نماز۔''

(جاری ہے)

تذکرہ علمائے اہل حدیث

حضرت مولانا محمد یوسف راجووالوی

محمد اسحاق بھٹی

تقسیم ملک سے قبل کا پنجاب، جسے متحدہ پنجاب کہا جاتا ہے، انتیس اضلاع پر مشتمل تھا، ان میں ایک ضلع فیروز پور تھا۔ فیروز پور کی پانچ تحصیلیں تھیں۔ ایک تحصیل خود فیروز پور، دوسری موگا، تیسری زیرہ، چوتھی فاضلکا اور پانچویں مکتسر۔ ان پانچوں تحصیلوں کے مختلف مقامات میں بے شمار علمائے دین اور اصحاب صالحیت حضرات موجود تھے۔ لکھو کے کا چھوٹا سا گاؤں تحصیل فیروز پور میں واقع تھا۔ جسے علم و عرفان اور درس و تدریس کے عظیم الشان مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ پورے پنجاب بلکہ ہندوستان کے دیگر صوبوں کے تشنگانِ علوم اس گاؤں میں آتے اور یہاں کے علمائے ذی مرتبت سے اکتسابِ فیض کرتے۔

ان سطور میں ضلع فیروز پور کے علمائے کرام سے متعلق تفصیل میں جانا مقصود نہیں۔ ان میں سے بہت سے بزرگانِ عالی قدر کے حالات یہ فقیر اپنی مختلف کتابوں میں بیان کر چکا ہے۔ یہاں صرف مولانا محمد یوسف کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا مقصود ہے جو گزشتہ ہفتے راہیِ ملک بقا ہوئے۔ وہ اصلاً اسی ضلع سے تعلق رکھتے تھے، اسی ضلع میں ان کی نشو ونما ہوئی اور وہیں کی فضاؤں میں پل کر عالَمِ جوانی کو پہنچے اور پھر وہیں سے چل کر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے۔

تقسیم سے پہلے جو ریل گاڑی فیروز پور سے بہ جانب مغرب فاضلکا بنگلہ اور اس سے آگے بہاول نگر اور سمہ سٹہ کو جاتی تھی، اس کا پہلا ریلوے اسٹیشن کھائی پھیمکی، دوسرا جھوک ٹہل سنگھ اور تیسرا منڈی گورو ہر سہائے تھا۔ یہ (تیسرا) ریلوے اسٹیشن فیروز پور سے اکیس میل کے فاصلے پر تھا۔ موجودہ حساب سے کم و بیش تیس کلومیٹر کے فاصلے پر کہنا چاہیے۔ اس اسٹیشن کے قریب ایک گاؤں ''چک سومیاں'' کے نام سے موسوم تھا جسے چک اعوان بھی کہا جاتا تھا۔ وہیں ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد یوسف پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام کمال الدین اور دادا کا نام حق نواز تھا۔ یہ نیک سیرت اور صالح سرشت لوگ تھے۔ لکھو کے گاؤں وہاں سے چودہ پندرہ میل کی مسافت پر تھا۔ مسئلے مسائل کے سلسلے میں اس نواح کے لوگ لکھوی علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔

محمد یوسف نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور اسی علاقے کے اصحابِ علم سے حاصل کی۔ پھر فیروز پور شہر آئے اور حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام رہا، پھر ضلع قصور کے ایک قصبے عثمان والا چلے گئے۔ وہاں مولانا محمد داود ارشد کا سلسلۂ تدریس جاری تھا، اس میں شرکت کی اور مروّجہ درسیات کی چھوٹی بڑی چند کتابیں پڑھنے کے بعد استاذ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کی خدمت میں لکھو کے حاضری دی اور ان سے استفادہ کیا۔ اس زمانے میں امرتسر کے مدرسہ غزنویہ کی بڑی شہرت تھی اور کئی مشہور علمائے کرام اس میں فریضۂ تدریس انجام دیتے تھے۔ لکھو کے سے مولانا محمد یوسف نے امرتسر کا عزم کیا اور وہاں حضرت مولانا نیک محمد، مولانا محمد حسین ہزاروی، مولانا عبداللہ شہید بھوجیانی اور ان کے برادرِ صغیر مولانا عبدالرحیم شہید بھوجیانی سے تفسیر، حدیث، فقہ و اُصول، عربی ادبیات اور معانی و بیان کی کتابیں پڑھیں۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کے مواقع میسر آئے اور ان سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا امرتسری نے ان سے ایک دن بہ طور امتحان چند باتیں پوچھیں، اُنھوں نے صحیح جواب دیے تو مولانا نے

خوش ہو کر اُنھیں جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی بہ طور انعام عطا فرمائی۔

جذبۂ شوقِ علم انھیں امرتسر سے دہلی لے گیا تو وہاں حضرت مولانا عبدالوہاب دہلوی مرحوم کے قائم فرمودہ مدرسہ دارالکتاب والسنۃ میں داخلہ لیا۔ وہاں حضرت حافظ عبدالستار دہلوی سے صحیح بخاری پڑھی اور مولانا عبدالجلیل خاں اور مولانا عبدالرحمٰن سے بعض دیگر نصابی کتابوں کی تکمیل کی۔

طالبِ علمی کے زمانے میں اور اس کے بعد دورِ تدریس میں اُنھوں نے حضرت حافظ محمد گوندلوی اور حضرت حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ سے بھی استفادہ کیا۔۱۹۴۴ء میں مروجہ درسی تعلیم سے فارغ ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان آئے اور ضلع لاہور کے ایک گاؤں موضع ''اہل'' میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں تقریباً چار سال ان کا قیام رہا۔اس اثنا میں حالات کے مطابق بچوں کو تعلیم دیتے رہے، پھر ۱۹۵۲ء میں راجووال آ گئے اور مستقل طور پر جم کر یہاں بیٹھ گئے ۔اس وقت یہ چھوٹا سا گاؤں تھا جو اللہ کے فضل سے اب شہر نما مشہور قصبہ ہے ۔ اس قصبے میں اُنھوں نے مسجد تعمیر کر کے درس و تدریس کا آغاز کیا اور پھر حالات کے مطابق خدمتِ دین کی گاڑی آگے بڑھتی گئی۔لوگوں نے دیکھا کہ ان کی سعیِ مخلصانہ سے یہ بنجر زمین کتاب وسنت کے آبِ رواں سے سرسبز وشاداب ہوگئی۔

یہ دارالعلوم جو اُنھوں نے اس غیر معروف گاؤں میں آج سے باسٹھ سال پہلے محدود سے پیمانے پر شروع کیا تھا، خوب صورت طرزِ تعمیر کی ایک بڑی عمارت کو اپنے قبضے میں لیے ہوئے ہے۔اس میں ہزاروں طلباء تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور سیکڑوں تشنگانِ علوم اپنی علمی تشنگی بجھانے میں مصروف ہیں۔بیسیوں فاضل اساتذہ یہاں خدمتِ تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

اس پورے علاقے میں مولانا ممدوح کو اعزاز کا مقام حاصل تھا۔ ان کی کوشش سے اس نواح کے کتنے ہی مقامات پر مساجد کی تعمیر ہوئی اور کتنی ہی مسجدوں کا سنگِ بنیاد اُنھوں نے خود اپنے ہاتھ سے رکھا۔ان مسجدوں میں جمعہ و جماعت کا التزام تو بہرحال ہوتا ہی ہے، اس کے علاوہ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے جو مولانا مرحوم اور وہاں کے اصحابِ اہتمام کے لیے صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ راجووال میں طلباء کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طالبات کی تعلیم کے لیے بھی مدرسہ جاری ہے جس میں بے شمار بچیاں استفادہ کر رہی ہیں ۔طلباء و طالبات کے مدارس کے سلسلے میں مولانا مرحوم کے ساتھ جن حضرات نے تعاون کیا ان میں مولانا عارف جاوید محمدی کا نام قابلِ ذکر ہے جو کویت میں قیام پذیر ہیں اور اپنے رفقائے کرام کے ساتھ قرآن وحدیث کی تبلیغ واشاعت میں مشغول ہیں۔اللہ ان سب کا حامی وناصر ہو۔

مولانا کے تلامذہ کرام کا دائرہ کافی وسیع ہے جس میں دارالعلوم راجووال کے قابل احترام مدرسین: مولانا عنایت اللہ امین اور مولانا محمد رفیق زاہد بھی شامل ہیں۔ان کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری ہیں جو وہاں سے چند میل کے فاصلے پر حجرہ شاہ مقیم میں سکونت پذیر ہیں۔ یہ خطابت وتقریر میں بھی شہرت رکھتے ہیں اور تحریر ونگارش میں بھی ان کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔

مولانا محمد یوسف مرحوم ومغفور نے چند کتابیں بھی تصنیف کیں اور ان کے مضامین بھی جماعتی اخباروں میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ اُنھوں نے جو بہت بڑا اشاعتی کام کیا وہ مولانا عبدالقادر عارف حصاری مرحوم کے فتاوے کی اشاعت ہے۔فتاوے کا یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گزرا، سنا ہے کہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ فتوے

مختلف اخبارات میں چھپتے رہے تھے۔ مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروزپوری نے موضوع وار ان کی جمع و ترتیب کا فریضہ انجام دیا۔ یہ مشکل ترین اور اہم ترین خدمت ہے جس کی انجام دہی کی انھیں سعادت حاصل ہوئی۔ پھر بے پناہ مہنگائی کے اس دور میں اس بڑے علمی ذخیرے کی طباعت کا مسئلہ خاص اہمیت کا حامل تھا، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ مولانا محمد یوسف کی کوشش سے یہ بھی حل ہو گیا۔

مولانا ممدوح سادہ مزاج عالم تھے۔ ان کے فرزندانِ گرامی بھی انھی کی طرح نرم کلام اور حلیم الطبع ہیں۔ قدیم وجدید علوم سے بہرہ ور اور ماشاءاللہ صالحیت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ دارالعلوم کا انتظام ایک مدت سے ان کے لائق بیٹے ڈاکٹر پروفیسر عبیدالرحمٰن محسن کے سپرد ہے۔ ان شاءاللہ یہ سلسلہ کامیابی سے جاری رہے گا۔ وہ اپنے والدِ ذی شان کے طریقِ عمل سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں اور ان کے تعلق داروں کا بھی انھیں علم ہے۔ ان شاءاللہ اپنے والدِ مکرم کی روایت کو قائم رکھیں گے۔

یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ دارالعلوم راجووال کی لائبریری ہزاروں کتابوں پر مشتمل ہے اور اہلِ علم کے لیے استفادے کا بہت بڑا مرکز ہے۔

مولانا محمد یوسف سے میری پہلی ملاقات آج سے چونسٹھ سال قبل مئی ۱۹۴۹ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت میں مرکزی جمعیت اہلحدیث کا آفس سیکرٹری تھا اور مرکزی جمعیت کا دفتر شیش محل روڈ پر دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور کی بلڈنگ میں تھا۔ وہ مجھ سے عمر میں چھ سات سال بڑے تھے۔ وہ میرے ایک مرحوم دوست مولوی محی الدین سلفی کے ساتھ مرکزی جمعیت کے دفتر تشریف لائے۔ میانہ قد، گندمی رنگ، خوب صورت نقش و نگار، تہبند اور قمیص پہنے ہوئے، سیاہ داڑھی اور انتیس تیس برس کی جوان عمر۔ اس پہلی ملاقات کے بعد ان سے تعلقات کا جو سلسلہ چلا وہ اللہ کی مہربانی سے بڑھتا چلا گیا۔ وہ جب بھی لاہور آتے، مجھے ملنے کی ضرور کوشش کرتے۔ میں بھی کئی دفعہ (ان کی دعوت پر بھی اور بغیر دعوت کے بھی) ان کے دارالعلوم گیا۔ ہر ملاقات میں اُنھوں نے ازراہِ کرم مسرت کا اظہار کیا۔ دو تین مرتبہ میں اور حافظ احمد شاکر اکٹھے ان کی خدمت میں گئے۔ وہ ایک عرصے سے بیمار تھے اور بیماری کی وجہ سے روز بہ روز نقاہت کا غلبہ بڑھ رہا تھا۔ بالآخر ۹۶ سال عمر پا کر ۱۳ جنوری ۲۰۱۴ء (۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ) کو اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے جنازے میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی جن میں مختلف مقامات کے علماء وفضلاء بھی شامل تھے اور متعدد جامعات و مدارس کے مدرسین و معلمین بھی۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأدخله جنة الفردوس.

نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حافظ مفتی ثناءاللہ مدنی ﷾ نے پڑھائی۔



امام کعبہ فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس کے والد گرامی کا انتقال پر ملال

امام الحرم المکی وخطیب خانہ کعبہ مشرفہ فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس ﷾ کے والد گرامی الشیخ عبدالعزیز السدیس وسط ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ بمطابق جنوری ۲۰۱۴ء وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ رب العزت موصوف کی بشری لغزشوں کو معاف کرے اور اُن کی حسنات کو قبول فرمائے اور اللہ کریم الشیخ السدیس اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه . (ادارہ)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ④

تصوف نقل وعقل کی روشنی میں

ڈاکٹر ابراہیم بن محمد البریکان ترجمہ: صہیب حسن فضل حق مبارک پوری

ڈاکٹر عبدالعظیم شرف الدین کا خیال ہے کہ ابن عربی کا مذہب اشاعرہ کے مذہب سے مستفاد ہے، جیسا کہ اشعریوں کا کہنا ہے کہ عالم، جواہر واَعراض سے بنا ہے اور عرض دو زمانوں میں جوہر کے اندر ہمیشہ نہیں رہتا۔ ان کا یہ مذہب تنہا وجود کا حامل نہیں کیوں کہ یہ لوگ رب العالمین اور عالم کے درمیان تفریق کرتے ہیں، اس لیے وجودِ اول مخلوق اور وجود ثانی وجودِ خالق ہے۔ گویا ابن عربی نے اپنی اصطلاح میں ذات کو جوہر کے محل میں رکھ دیا اور اَعراض کو اس ذات کے وجود کی صورت بنا دیا۔ (ملاحظہ ہو ''ابن القیم'' مؤلفہ: ڈاکٹر عبدالعظیم شرف الدین، ص:۴۰۶، ۴۰۷)

میری رائے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول زیادہ واضح ہے کیوں کہ بنیادی طور پر ابن شحام کا قول ابن عربی سے متفق نظر آتا ہے، وہ اس طرح کہ ''معدوم، عدم میں شے ثابت ہے'' اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ ''وجود ذہنی و وجود خارجی ہے اور ذہن کی مشترکہ صفات ہی خارج میں متشخص صفت کی عین ہے۔''

ابن عربی نے جو اُصول بنا رکھا ہے وہ کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱)...... ذہن کے خارج میں معدوم کوئی چیز نہیں، اس لیے ذہن میں (آنے والی) کسی چیز کا نام رکھنا محال ہے، بلکہ خارج میں ایسا کچھ تصور ہی نہیں ہے۔ کتاب وسنت اور اجماع قدیم اسی پر دلالت کرتے ہیں:

دلائل قرآنیہ:

❁.... ﴿وَ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْئًا۝﴾ [مریم:۹]

''اور تُو خود جب کہ کچھ نہ تھا تجھے پیدا کر چکا ہوں۔''

یعنی انسان اپنے وجود سے پہلے کچھ نہ تھا۔ اسی جیسا یہ فرمان الٰہی بھی ہے:

❁.... ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ يَكُ شَيْئًا۝﴾ [مریم:۶۷]

''کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔''

❁.... ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۝﴾ [الطور:۳۵]

''کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بہ خود پیدا ہو گئے ہیں یا خود پیدا کرنے والے ہیں۔''

اس آیت میں ان کے حالت عدم میں لاشے محض سے مخلوق ہونے پر نکیر کی گئی ہے۔ اگر خارج ذہن میں کوئی چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان پر نکیر نہ کرتا۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ شے معدوم سے پیدا کیے گئے ہیں تو اس سے ان کے خالق کا معدوم ہونا لازم آئے گا۔

(۲)....﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا۝﴾ [مریم:۶۰]

''وہ لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔''

اگر خارج میں معدوم کوئی چیز ہوتی تو تقدیر ''لایظلمون'' موجود ہوتی نہ کہ معدوم۔ اور معدوم ان کے مظلوم ہونے کا تصور نہ پیش کرتا کیوں کہ ظلم ان کے لیے نہیں ہے۔

❁....﴿ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝﴾[الحج:۱]

''بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔''

اس آیت میں زلزلۂ قیامت کی کیفیت بتلائی گئی ہے کیوں کہ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ ﴾ [الحج:۲]

''جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔''

بلاشبہ یہ کیفیت قیامت ہی کے دن ہوگی۔ اگر حالتِ عدم میں اس کا وجود مقدر ہوتا تو معنی کا وقوع بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں شے مقدر ہوتا۔ لیکن اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝﴾[النحل: ٤٠]

''ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے۔''

اس آیت میں اللہ جل شانہ کی حالتِ ارادہ کو موجود شے کا نام دیا گیا اور اس میں شے کی معدوم حالت کو معدوم سے تعبیر نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ خبر دی ہے کہ نفس معدوم کا ارادہ کیا جاتا ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ ذہن کے اندر شے کی ماہیت ہی عین وجود شے ہے کیوں کہ موجودِ ذہنی اپنے افراد کے درمیان مشترک ہے۔ رہا خارج میں وجودِ عینی تو یہ معین مشخص ہے۔

اور جب دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا تو دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرا ہونا باطل ہوگیا کیوں کہ علم، کتاب اور کلام کے اندر اشیاء کا ثبوت، خارج ذہن میں عین ثبوت نہیں اگر چہ وہ ذہن کے اندر کوئی شے ہو۔

جب آپ کو اپنے ذہن میں موجود شے کی حقیقت کا علم ہوگیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا وجود خارج ذہن میں اس کے مطابق ہی موجود ہو کیوں کہ ذہن میں ان ممنوعہ اشیاء کا بھی تصور ہوتا ہے جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں، اس لیے مناطقہ و فلاسفہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ذہن میں آنے والی یہ ممتنعات کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ (مجموعۃ المسائل والرسائل:۴/۱۴،۱۵)

ترمذی کی حدیث ہے، ابو حارثہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے آکر کہا:

"أریت رقی نسترقیها ودواء نتداوی به، هل ترد من قضاء الله شیئا؟ قال: ((هي من قدر الله.))"

''وہ منتر جس سے ہم جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور دوا جس کے ذریعے ہم علاج کرتے ہیں، ان دونوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ٹال دیتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ چیز اللہ ہی کی تقدیر میں سے ہے۔''

بلاشبہ تقدیر، معدوم میں وہ شے ثابت ہوتی ہے جو عنقریب واقع ہونے والی ہوتی ہے۔ اور ممکن معدوم جو کبھی واقع ہونے والا نہیں وہ قائلینِ عدم کے نزدیک عدم میں ثابت شے ہے۔ لیکن یہ مخلوق کے اندازے میں نہیں اللہ تعالیٰ ہی اس کی اصل حقیقت کو جانتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ممتنعات کو بھی جانتا ہے۔

مزید برآں یہ (ممتنعات) باری تعالیٰ کے ساجھی فرض کرنے کے مثل نہیں ہوتیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ معدوم کا نام اگر چہ ذہن میں شے رکھ دیا جائے تو بھی وہ خارج میں موجود نہیں ہوگی مگر اسی صورت میں جب کہ وہ موجود ہو۔ (مجموعۃ المسائل والرسائل::۴/۱۳)

صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اہل جنت وجہنم

معلوم ہیں؟ فرمایا: ''ہاں۔'' سوال کرنے والے نے کہا: پھر عمل کرنے والے کس لیے عمل کریں؟ فرمایا:

((كل ميسر لما خلق له .))

یعنی ہر چیز اس نفس کے لیے آسان کر دی گئی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ قبیلہ مُزینہ کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس عمل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کو لوگ روزانہ انجام دیتے ہیں اور اس میں جاں فشانی کرتے ہیں، کیا پہلے سے ان پر کوئی فیصلہ یا تقدیری عمل ہوا رہتا ہے یا مستقبل میں کوئی ایسی بات ہوگی جس کو ان کا نبی ان کے پاس لایا ہو اور ان پر حجت ثابت ہوگی؟ فرمایا:

((لا بل شيء قضي عليهم ومضى فيهم ، وتصديق ذلك في كتاب الله: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاo فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاo﴾ . [الشمس: ۷،۸]''

''نہیں، تقدیر کا فیصلہ مقدم ہو چکا ہے اور کتاب اللہ میں اس کی تصدیق بھی آئی ہے: قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی۔ پھر سمجھ دی اس کو بدکاری کی اور بچ کر چلنے کی۔''

اس سے ابن عربی کے ہفوات کا فساد عیاں ہو جاتا ہے۔

دوسری نوع:

حلولیوں کے کلام کی دوسری نوع فخر الرومی اور اس کے شاگردوں کا قول ہے:

''اللہ تعالیٰ وہ وجود مطلق ہے جو متعین و متمیز نہیں ہوتا۔ اگر وہ متعین و متمیز ہو گیا تو وہ حق ہے، خواہ وہ مرتبہ اُلوہیت یا اس کے علاوہ میں متعین ہو۔''

(مجموعة المسائل والرسائل: ٤/ ١٨ وما بعدها)

یہ نظریہ ابن عربی کے قول کی بہ نسبت زیادہ موجبِ کفر اور خوف ناک ہے۔ ان حلولیوں نے اس قول کو اشیاء کے وجود اور اُن کی ماہیت کے درمیان فرق نہ کر سکنے سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اس باطل سے ملا دیا جو صحیح عقل اور شرعی دلائل کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔

اس کی وضاحت قول اوّل کے مطابق یوں ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا وجود نہ بنایا جائے جو مخلوقات سے خارج اور اس کا فیصلہ کرنے والا ہو۔ اس طرح اس میں قائم بنفسہ رب کے وجود کا اعتراف ہو جاتا ہے جو اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اگرچہ اس میں خالق کو عین مخلوق بنانے کی جہت سے کفر ہے۔

فخر الرومی کا مذہب یہ ہے کہ خالق کا وجود، مطلق وجود ہے جو موجودات معینہ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ عقلی طور پر جو بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ وجود مطلق بہ اتفاق عقلاء خارج ذہن میں کبھی نہ ہوگا، اس طرح فخر الرومی کا مذہب ذات الٰہیہ کے وجود کے انکار کی طرف جاتا دکھائی دیتا ہے کیوں کہ خارج میں مطلق کے لیے کوئی وجود مطلق نہیں بلکہ اس کے لیے صرف معین موجود ہے۔ (نفس مصدر: ۴/۲۳،۲۶)

ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

''زبان و علم سے جو چیز خارج ہے وہ خارج میں کوئی بھی موجود شے نہیں ہے۔'' (نفس مصدر: ۴/۲۳،۲۶)

بلکہ موجودات اپنی خاص صفات کے ساتھ معین ہیں، اس لیے وجود مطلق ایسا مخصوص معین ہے جو اسے اپنے ماسوا سے ممیّز کر دیتا ہے۔

تیسری نوع:

حلولیوں کے کلام کی تیسری نوع تلمسانی کے قول پر مشتمل ہے:

''مطلق و معین اور ماہیت و وجود کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ اس کے پاس جو کچھ ہے کسی وجہ سے اس کے علاوہ اور اس کا غیر ہے۔ اور کائنات بہ منزل موجوں کے سمندر میں اور بہ منزل بیت کے اشعار میں ہے۔ ان کے یہ اشعار

ملاحظہ ہوں۔

البحر لا شك عندي في توحده
و إن تعدد بالأمواج والزبد
فلا يغرنك ما شاهدت من صور
فالواحد الرب ساري العين في العدد

''میرا عقیدہ ہے کہ سمندر ایک ہی رہے گا اگر چہ اس کی موجیں اور اس کی جھاگ کتنی ہی زیادہ ہو جائے۔نظر آنے والی شکلیں اور صورتیں تمھیں دھوکے میں نہ ڈالیں کیوں کہ رب واحد شمار میں آنے والی چیزوں کے اندر جاری وساری ہے۔''

سابقہ دونوں اقوال کے بالمقابل یہ قول کفروزندیقیت میں زیادہ سخت ہے، اس لیے کہ اس کا قائل مظاہر و ظاہر اور کثرت و اختلاف کے درمیان صرف ذہنی اعتبار سے تفریق کرتا ہے کیوں وہ حقیقت سے پردۂ خفا میں ہے، اس لیے جب اس کی حقیقت منکشف ہو جائے گی تو اس کے لیے واضح ہو جائے گا کہ وہ اللہ ہی ہے، کوئی غیر نہیں۔ دیکھنے والا اور دیکھا جانے والا اور شاہد و مشہود سب ایک جیسے اور برابر ہیں، اس لیے اللہ کے علاوہ وجود میں کوئی شے نہیں۔ اور تمام اعتبارات کا کوئی وجود نہیں کیوں کہ یہ سب خیالات ہیں جن کا ذہن میں صرف تصوراتی وجود ہے۔ درحقیقت موجودات ہی اللہ ہیں جس کے سوا کوئی چیز کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔'' (مجموعۃ المسائل والرسائل:۴/ ۲۷)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان حلولی صوفیوں کا قول تین قسم کے عقائد سے مرکب ہے:

۱: جہمیہ کا سلب اور ان کی تعطیل۔

۲: صوفیوں کے مجمل و متشابہ الفاظ جو ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں، وہ عقل سے مغلوب لوگوں کے ان کلمات کی طرح ہیں جو سکرو بے ہوشی کے عالم میں بولے جاتے ہیں۔

۳: زندیقیت جو تَجہُّم کی اصل ہے اور ابن سبعین وقونوی پر غالب تھی اور اس سے پہلے ابن عربی اور اس کے ماننے والوں پر غالب آ چکی تھی۔ (نفس مصدر:۴/ ۲۷)

ذیل کی چند وجوہات سے حلولیوں کے مذہب کی تردید ہوتی ہے:

①......ان سے یہ کہا جائے کہ یہ اَعیان جو تمھارے نزدیک موجود ہیں، کیا اللہ تعالیٰ نے اس عدم کے بعد ان کو وجود بخشا یا وہ عدم میں باقی ہیں؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ''جو کچھ عدم میں ہے وہ عدم ہی میں ہے'' تو یہ حس و عقل اور شرع سے کھلا ہوا عناد ہے۔ عقل مند انسان جو یہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، وہ اس طرح کی بات نہیں کر سکتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (اَعیان کو) ان کے عدم کے بعد وجود بخشا اور وہ عین معدوم نہیں تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عدم کی حالت میں عین معدوم نہیں تھا وہ (ہمیشہ سے) وجود رکھتا ہے کیوں کہ وہ اپنے قدیم ہونے کی نفی کرتا ہے۔ تو اس طرح اتحاد باطل ہو جاتا ہے (پس عالَم کا غیر اللہ ہونا واجب ہو گیا بلکہ سارے عالَم کا وہی خالق ہے۔) (دیکھیے مدارج السالکین:۱/ ۱۴۷، ۱۴۸)

②......وجود و ماہیت خارج ذہن میں ایک ہی چیز ہے، ان دونوں کے درمیان فرق تصور نہیں کیا جاتا۔ لیکن ذہن میں اس فرق کا تصور ممکن ہے کیوں کہ ذہن ممتنعات اور محال چیزوں کو فرض کر لیا کرتا ہے۔

③......اللہ تعالیٰ بہ شرط اطلاق وجود مطلق ہے۔ اس قول سے اللہ تعالیٰ کا خارج ذہن میں ذات موجود ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ مطلق بہ شرط اطلاق صرف ذہن ہی میں پایا جا سکتا ہے۔ اور جس شے سے باطل لازم آئے وہ باطل ہے۔

④......اس کا لازمی مفہوم بندے سے تکالیف کا سقوط ہے۔ اور یہ کہ وہ مامور نہیں ہے اور نہ اس کو کسی چیز سے روکا گیا ہے۔ اور یہ کہ یہاں اطاعت نہ کوئی چیز ہے نہ معصیت، نہ معروف کوئی چیز ہے اور نہ

منکر، اس لیے یہ قول ان کے جو کچھ عین رب میں ہوتا ہے وہی بندے کے حق میں بھی ہوتا ہے۔ یہ نظریہ سرے سے شریعت کی روح کو باطل کر رہا ہے، اس لیے وہ خود باطل ہے، پس جس چیز سے بطلان لازم آئے وہ بجائے خود باطل ہوتی ہے۔

⑤......اس کا لازمی معنی یہ ہے کہ نہ تو وہ قدیم موجود ہے اور نہ محدث، وہ بہ یک وقت موجود قدیم اور محدث ہے۔ یہ جمع بین النقیضین ہے اور یہ فی نفسہ مستحیل چیز ہے، جو چیز ایسی بات پر مبنی ہو وہ بذات خود ناممکن و مستحیل ہے۔

یہ حلول و اتحاد یا بہ الفاظِ دیگر وحدۃ الوجود کے عقیدے کی اصل ہے جو توحید ربوبیت میں فنائیت سے عبارت ہے۔ اور یہ چیز سالک کے اپنے شہود کے ذریعے اپنے مشہود سے اور اپنے ذکر کے ذریعے اپنے مذکور سے فنا ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس نے ان (صوفیوں) سے یہاں تک کہلوا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے مقابلے میں انسان کا اپنے وجود کو تصور کرنا ہی دوا کائیوں کا اثبات ہے، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلا ہوا شرک ہے۔ اور کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ؎

وما وحد الواحد من واحد
إذ كل من وحده جاحد

''واحد (ایک) کی تعریف واحد سے نہیں کی گئی، اس لیے
جس نے بھی اس کو واحد جانا وہ جاحد (منکر) ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ وہ ذکر کے وقت یا تو ''یا هو'' یا ''یا أنا'' کہتے ہیں کیوں کہ وجود صرف ایک ہی ہے جو ''وجودِ حق'' ہے۔

یہی وہ عقیدہ ہے جس نے ان کو ابن عربی، تلمسانی اور قونوی وغیرہ قائلین وحدۃ الوجود کے مذہب کی انتہا کو پہنچا دیا جو وجود مسمی میں قدیم و محدث کے درمیان عدم فرق کا نتیجہ تھا۔ نیز اُنھوں نے وجود ذہنی کو خارج کا عین وجود بنا دیا، چنانچہ جس طرح وجود ذہنی قیود سے مطلق ہے اسی طرح وہ خارج میں بھی ہے اور جس طرح ذہنی وجود مسمی میں خالق و مخلوق دونوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اسی طرح خارج ذہنی حقیقت وواقع میں معاملہ وجود مسمی میں ہو جاتا ہے۔ (مدارج السالکین: ۱/ ۱۴۷، ۱۴۸)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس فنا کی طرف صوفی اشارہ کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں وہ بندے کے شہود میں محدثات کا ختم ہو جانا اور عدم کے اُفق میں غائب ہو جانا ہے۔ ویسے ہی جیسے وہ اللہ تعالیٰ کی دائمی بقا کے ساتھ اپنے وجود سے پہلے وجود رکھتی تھیں، پھر مظاہر و مشاہد کی صورتیں اور وجود حق کی نقاشی بھی غائب ہو جائے گی بلکہ اس کی کوئی صورت و نقاشی نہیں باقی رہے گی، پھر اس کا شہود بھی غائب ہو جائے گا اور اس کا کوئی شہود باقی نہیں رہے گا اور حق ہی بہ نفس نفیس اپنا مشاہدہ کرنے والا ہو جائے گا۔ بلکہ معاملہ ویسے ہی ہو جائے گا جیسا کہ وجود کائنات سے پہلے تھا، جس کی حقیقت موجود کا فنا ہونا اور دائم الوجود کا باقی رہنا ہے۔'' (مدارج السالکین: ۱/ ۱۴۹)

اتحادیوں کے تعلق سے ابن قیم رحمہ اللہ کے بیانات کا مذکورہ کلام سے مقارنہ کرنے سے ہمارے مذکورہ بالا کلام کی صحت ظاہر ہو جاتی ہے، چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اتحادی کہتا ہے کہ کوئی نہیں ہے جو اسے ایک گردانتا ہو بلکہ وہ بہ نفس نفیس موحد ہے، اس لیے درحقیقت اس کے سوا کوئی نہیں۔'' (مدارج السالکین: ۱/ ۱۴۷، ۱۴۸)

صوفیوں کے ماخذ:

صوفیوں کے مصادر و ماخذ سلف صالحین سے مختلف نہیں۔ اور وہ کتاب و سنت ہیں، چنانچہ انھی صوفیوں میں سے احمد بن الحواری کا قول ہے:

''جس نے بغیر اتباعِ سنت کے عمل کیا تو اس کا عمل باطل ہے۔''

ابوحفص نیشاپوری کا قول ہے:
''جس نے ہمہ وقت اپنے اقوال واَفعال کو کتاب وسنت پر نہ تولا اور اپنے دل میں آنے والے باتوں کو متہم نہ کیا تو تم اسے دائرۂ انسانیت سے خارج سمجھو۔''

جنید بن محمد کا قول ہے:
''مخلوق سے سارے راستے بند کر دیے گئے ہیں مگر جس نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی۔'' یعنی متبعِ سنت ہی کی اتباع کرنی چاہیے۔

مزید فرمایا:
''جس نے قرآن کو یاد نہ رکھا اور حدیث کو نہ لکھا، دین کے معاملے میں اس کی اقتدا نہ کی جائے گی کیوں ہمارا یہ علم (تصوف) کتاب وسنت سے مقید ہے۔''

ابوعثمان نیشاپوری فرماتے ہیں:
''جس نے سنت کو قولاً وفعلاً اپنے نفس پر جاری کیا اس نے حکمت کا کام انجام دیا اور جس نے قولاً وفعلاً خواہشِ نفس کی اتباع کی اس نے بدعت کا کام کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا﴾[النور: ٥٤] ہدایت تو تمھیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔''

ابوحمزہ بغدادی فرماتے ہیں:
''جو شخص اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے راستے کو جان لے گا اس پر اس کا سلوک آسان ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے راستے کی طرف راہنمائی صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کے احوال، اقوال اور افعال کی اتباع اور پیروی ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔''

ابوالحسن نوری کہتے ہیں:
''جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرنے لگے جو اُسے علم شرعی کی حد سے نکال دیتی ہو تو تم ہرگز اُس کے قریب نہ جاؤ۔''

اور فرماتے ہیں:
''ہمارے زمانے میں سب سے زیادہ دو طرح کے افراد کا قحط ہے: عالم باعمل اور حقیقت کے مطابق گفتگو کرنے والا عارف۔''

ابوعبدالرحمٰن الشامی کہتے ہیں:
''میں نے اپنے دادا ابوعمرو بن نجید کو کہتے ہوئے سنا: جس حال کا کوئی علمی انتاج نہیں ہوتا اس کی مضرت، اس کی منفعت پر غالب ہوتی ہے۔''

اور تصوف کے متعلق سوال کیے جانے پر فرمایا:
''شرعی دائرے میں رہتے ہوئے امرونہی پر صبر کرنا۔''

صوفیوں کے نزدیک معنیٰ علم کی تفسیر اس شریعت سے کی گئی ہے جو قرآن اور حدیث شریف کے نصوص میں ثابت ہے (یعنی حقیقی علم قرآن وحدیث ہی کا علم ہے۔) (الاستقامة لابن تیمیہ: ۱/۹۶، ۹۹)

بعض باحثین نے ائمہ تصوف کے متعلق مذکورہ حکایات میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ لوگ (صوفی) عوام الناس کے سامنے عقیدۂ سلف کی بات کرتے ہیں، حالانکہ ان کا عقیدہ اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس دعوے کا چند دلیلوں سے رد کیا ہے:

۱: صحیح سندوں سے صوفیوں کے بارے میں جو باتیں منقول ہوئیں وہ ان کے معمول بہ عقیدہ ومشرب میں کسی طرح کے شک کا پہلو نہیں چھوڑتیں۔
۲: خلاف حقیقت جو باتیں منقول ہیں ان کی سند صحیح نہیں ہے، اس لیے جہت نقل سے ان پر اعتماد نہ کیا جائے گا۔
۳: دلوں کی اصل حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، ہمیں صرف مخلوق کا ظاہری علم دیا گیا ہے۔ اور دنیاوی احکام کی بنیاد ظاہر ہی پر مبنی ہوتی ہے۔

۴: ان کے متعلق منقول بعض نصوص سے کسی طرح کے باطل کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ حق ہی ظاہر ہوتا ہے، خصوصاً جب اس کا مقارنہ ثابت شدہ صحیح نصوص سے کیا گیا ہو۔

۵: متاخرین صوفیوں کی غلطی سے متقدمین صوفیوں کی اس غلطی میں شرکت لازم نہیں آتی۔(الکشف عن حقيقة الصوفية ، ص:۹ وما بعدها ، الاستقامة:۱/ ۷ وما بعدها ، اجتماع الجيوش الإسلامية ، ص: ۱۰٦ ، نیز دیکھیے التعريفات للجرجاني ، ص:۱۸٤ ، المعجم الفلسفي ، ص:۱۵۳)

یہ باتیں ہم تصوف اور صوفیوں کی مدافعت میں نہیں کہہ رہے۔ بلکہ منقول اور ثابت باتوں کا امانت و دیانت کے ساتھ اقرار کر لینا ہی علمی بحث کا تقاضا ہے۔

جن متاخرین صوفیوں نے اپنے متبع کتاب وسنت سلف کے منہج کی مخالفت کی تو ان کے حصولِ علم و معرفت کے چھ(٦) طریقے تھے:

۱: **کشف**: ان (صوفیوں) کے بیان کے مطابق اس کا معنی ان معانی غیبیہ اور اُمور حقیقیہ پر وجوداً و شہوداً مطلع ہونا ہے جو پردے کے پیچھے ہیں۔

صاحب المنازل ابو اسماعیل الہروی نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

''دو مختلف باطنی لوگوں کے درمیان مہادات شرکا نام مکاشفہ ہے۔''(مدارج السالکین:۳/۲۲۱)

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کی شرح ان الفاظ میں کی ہے:

''باہم محبت کرنے والے دو مخلص دوستوں میں سے ایک کا دوسرے کے امر و سر سے مطلع ہونا۔''(نفس مصدر:۳/۲۲۱)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول:

''مطلوب پر نفس کی پوری توجہ اور تجرید نفس کے وقت اس (نفس) میں پیدا ہونے والے شہوانی عوارض کا نام مکاشفہ یا کشف ہے۔''

اس طرح کشف، دل پر طاری ہونے والی خلوت کی وہ حالت ہے جس میں طبع انسانی کی خواہشات اور نفس کے محظوظات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اور انسان کی قلبی بصیرت اس حد تک مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ حس عقل سے پوشیدہ ان احوال و اُمور کو دیکھنے لگتا ہے جس کو دوسرا دیکھ سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے۔

شرعاً و عقلاً یہ امر معلوم ہے کہ نبی و رسول کے علاوہ عام انسانوں کے دلوں میں جو کچھ آتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں:

①......پہلی حالت یہ ہے کہ دلیل شرعی ان اُمور کی صحت پر دلالت کر رہی ہو جن کا علم فراستِ ایمانی کی بہ دولت حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مومن کی فراست سے بچو کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''(ترمذي عن أنس بن مالك ، وهو حديث حسن)

یا وہ بہ طریق کرامت ربانی حاصل ہو، مثلاً: معرکہ رُوم میں ساریہ کی حالت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلع ہونا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی اہلیہ کے بطن میں ہونے والی شے کا علم ہونا۔ لیکن ان چیزوں کو دوام نہیں ہوتا بلکہ جب بندے کے دل پر غفلت کا پردہ چڑھ جاتا ہے تو مذکورہ اُمور کے برخلاف چیزیں رونما ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾[مطففين :١٤]

''ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ (چڑھ گیا) ہے۔''

②......دوسری حالت یہ ہے کہ ان کی صحت پر دلیل شرعی نہ ہو۔ ایسی صورت میں شریعت پر ان کا پیش کرنا ضروری ہو جاتا ہے کیوں کہ انسان کے دل میں آنے والی باتیں بسا اوقات شیطانی وسوسے ہوا

کرتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ٥الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ٥مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ٥﴾[الناس: ٤،٦]

''(میں لوگوں کے معبود کی پناہ میں آتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے۔ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ (خواہ) وہ جن میں سے ہو یا انسان میں سے۔''

اس سورت کی پہلی آیت میں ہمیں شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے مدارج السالکین: ۳/ ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۲۸، شرح العقيدة الاصفهانية، ص:۱۲)

نام نہاد صوفیوں کا خیال ہے کہ کشف ایسی حالت ہے جو ان کے شیوخ کے ساتھ ہمیشہ لگی رہتی ہے اور یہ اختصاص سارے مسلمانوں کو چھوڑ کر انھی کو حاصل ہے۔ ان کے گمان کے مطابق کشف، اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص طور پر ہوتا ہے، شیطان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کشف شیطانی ہی وہ کشف ہے جو شیطان کے سامنے صوفیوں اور ان کی عقلوں کے ساتھ کھیل کود کرنے کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور اُنھوں نے کشف رحمانی اور کشف شیطانی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی، حالانکہ جس طرح کشف شیطانی مومن کو ہوتا ہے اسی طرح کافر و فاسق اور مشرک کاہنوں، نجومیوں اور ریت پر لکیر کھینچ کر آئندہ کے احوال شناسی کے جھوٹے دعوے داروں کو بھی ہوتا ہے۔ اور یہی کشف شیطانی ہے جو دائرۂ تصوف اور صوفیوں میں مختلف قسم کی خرافات و شعبدہ بازیوں کے انتشار کا سبب بنا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے چند ایسے دلائل بیان کیے ہیں جن سے کشف شیطانی کا بطلان ہوتا ہے اور شرعی مطالب و مفاہیم کے حصول میں اس پر اعتماد کا امکان ختم ہو جاتا ہے:

۱: انبیاء علیہم السلام نے اس کی تعلیم نہیں دی تھی بلکہ ہر معاملے میں کتاب و سنت کو فیصل بنانے کا حکم دیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ٥٩]

''پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹا دو اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف۔''

۲: ایمانی حالت کی تحصیل میں صرف ترکِ شہوات کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ مختلف قسم کی ظاہری و باطنی عبادتوں کو ملانا ضروری ہوتا ہے تاکہ ایمانی بصیرت مکمل طور پر سمجھ میں آسکے۔

۳: صوفیوں کے شیوخ و ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعی علم کا پڑھنا واجب ہے اور طریقہ وسلوک کی اتباع سنت کے بغیر درست نہیں ہوسکتی۔ (اس طرح کی باتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں۔)

۴: مطالب الٰہیہ کی تحصیل میں کشف پر اعتماد کرنے والا مامون نہیں رہ سکتا کیوں کہ دل میں شیطانی وسوسوں کے پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

۵: مطالب الٰہیہ میں کشف کا سہارا نہیں لیا جا سکتا کیوں کہ اس سے مطلوب تک پہنچنا غیر یقینی امر ہے۔ دلیل کا مدلول سے مستلزم ہونا ضروری ہے اور مدلول، مطلوب کو مستلزم نہیں ہوتا، اس لیے کبھی مطلوب تک رسائی ہوتی ہے اور کبھی اس کے برعکس ہو جاتا ہے۔

۶: کشف کے حق تک پہنچانے کی معرفت اسی وقت ہوتی ہے جب کہ وہ خود حق تک پہنچ گیا ہو، اس لیے کہ حق تک پہنچنے کے لیے وہ مامون و متعین نہیں۔

۷: کشف صرف اجمالی معرفت تک ہی پہنچا سکتا ہے، تفصیل تک پہنچا دینا کسی طرح ممکن نہیں۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ کتاب وسنت سے مدلل معرفت کے لیے کشف جیسے سہارے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور کتاب وسنت، عقل سلیم اور ظاہری و باطنی حس کی اس (کشف) سے عدم موافقت کے سبب اس (کشف) کی غلطی واضح ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ اکثر وہ مکاشفے جن کا صوفی دعویٰ کرتے ہیں، وہ شیطانی احوال یا وہمی تخیلات

ہیں جو ضعف نفس یا قوت واردات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔حس میں ان کا احساس وشعور مفقود ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ ایسی چیزیں خیال کرنے اور مشاہدہ کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہ حالت اعتدال میں ہوں تو ایسا کچھ خیال اور مشاہدہ نہ کریں۔

یہی وہ چیز تھی جس نے ان کو حلول واتحاد تک پہنچا دیا کیوں کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس کا اُنھوں نے مشاہدہ کیا یا جس سے گفتگو کی، وہی ان کا رب ہے۔

۲ : ذوق: متاخرین صوفیوں نے اپنے متبع کتاب وسنت متقدمین سلف کی دوسری مخالفت ''ذوق'' میں کی ہے۔''التعریفات'' میں ''ذوق'' کی تعریف یوں آئی ہے:

''ذوق عبارت ہے اس نور عرفانی سے جسے حق اپنی تجلی کے ذریعے اپنے اولیائے حق کے دلوں میں کھینچتا ہے جس کی یہ دولت وہ حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے لگتے ہیں۔اس سلسلے میں وہ کسی کتاب وغیرہ سے کچھ نقل نہیں کرتے۔''

(التعريفات للجرجاني، ص: ۱۰۷، دارالكتب العلمية)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذوق ظاہری و باطنی حاسے کا ملائم و منافر (موزوں وغیر موزوں حاسے) کے ساتھ مل جانا ہے۔اور یہ لغت قرآن یا لغت عرب میں وارد ہونے والے منھ کے حاسے کے ساتھ مختص نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۝﴾[الحج:۲۲]

''اور (کہا جائے گا:) جلنے کا عذاب چکھو!''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۝﴾ [آل عمران:۱۰۶]

''اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ۝﴾[ص:۵۷]

''یہ ہے گرم پانی اور پیپ، اسے چکھو۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝﴾[النحل:۱۱۲]

''اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزا چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔''

غور فرمایئے کہ اس آیت میں کس طرح اللہ تعالیٰ نے ذوق و لباس کے مجموعے کے ذریعے اس کے احاطہ وشمول کو مدلل کر دیا ہے، چنانچہ اس نے عمل ذوق کے متعدی ہونے کے متعلق یہ مفید خبر دی کہ وہ بلا انتظار یک لخت وقوع پذیر ہونے والا ہوتا ہے۔اور خوف کا وقوع کبھی کبھی ہوتا ہے اور براہ راست نہیں ہوتا۔اور اس (ذوق) کے لباس ہونے کے بارے میں یہ مفید خبر دی کہ وہ لباسِ بدن کی طرح محیط اور شامل ہوتا ہے۔'' (مدارج السالکین :۳/۸۷،مجموع الفتاوی: ۱۰/ ۳۳۵،۳/ ۸۷،۸۸،۳/ ۹۰،۹۹)

سنت نبویہ میں لفظ ذوق ایمانی لذات اور یقینی حلاوت کے مفہوم میں آیا ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب، اسلام کے مذہب اور محمد ﷺ کے رسول ہونے سے راضی ہو گیا، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔''

ابن قیم رحمہ اللہ اس حدیث کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

''جس طرح کھانے پینے کا ذائقہ منھ میں چکھا جاتا ہے اسی طرح ایمان کے اندر ایک (مخصوص قسم کا) مزہ ہوتا ہے جس کا ذائقہ دل کو حاصل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس (ایمانی مزے) کو کھانے پینے سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:''میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا رہتا ہے۔''

ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''وہ شخص بھدے اور بھونڈے ذہن کا ہے جس نے کھانے پینے سے حقیقی کھانا پینا سمجھا۔ اسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاوت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: ''تین خصلتیں جس شخص کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا۔'' یہی وہ ذوق ہے جس کے ذریعے ہرقل نے نبوت کی صحت پر استدلال کیا، جیسا کہ اس نے ابوسفیان سے سوال کرتے ہوئے کہا: کیا ان میں سے کوئی اس کے دین سے ناراض ہو کر مرتد ہو جاتا ہے؟'' ابوسفیان نے جواب میں کہا: نہیں۔ ہرقل نے کہا: ایسا ہی ہوتا ہے جب ایمان کی حلاوت بشاشتِ قلب سے مل جاتی ہے۔'' اس نے اس بات پر استدلال کیا کہ وہ نبوت کی دعوت اور ملک وریاست کا پیغام ہے۔''

(مدارج السالکین: ۳/ ۸۷، ۸۸)

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح کھانے پینے سے منہ کو ذائقہ حاصل ہوتا ہے، اسی طرح دل کے اندر بھی ایک طرح کی قوت ذائقہ ہوتی ہے جسے انسان محسوس کرتا ہے۔ یہ لفظ و معنیٰ کتاب وسنت کی دلالت سے ثابت ہے۔''

(مدارج السالکین: ۳/ ۹۰، ۹۹)

(جاری ہے)

ضرورتِ رشتہ

اظہارِ تعزیت

مولانا محمد یوسف صاحب راجووالوی رحمہ اللہ ہماری جماعت کے بزرگ اور نیک اطوار عالم دین تھے۔ ان کی وفات ہمارے لیے صدمے کا باعث ہوئی۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔

(پروفیسر مولا بخش محمدی، تھرپارکر سندھ۔ چوہدری سہیل احمد گورداس پوری۔ ابوبکر صدیق حسینی ماہنامہ الاخوۃ لاہور۔)

بقیہ فہرست کتب

۸۹۳ء۲۹۷ غلام احمد قادیانی

غ۳۵ح الحق یعنی مباحثہ لدھیانہ، ص: ۱۲۴، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔

۸۹۳ء۲۹۷ غلام احمد قادیانی (مجموعہ ۲ کتب)

غ۳۵آ آئینہ کمالات اسلام، ص: ۶۰۴۔ مطبع ریاض، ہند۔
۲۔ کشتیِ نوح، ص: ۷۶۔ مطبع ضیاء الاسلام۔

۸۹۳ء۲۹۷ غلام احمد قادیانی

غ۳۵ا اَربعین نمبر۳، ص: ۲۲۔ پریس نامعلوم۔

۸۹۳ء۲۹۷ بشیر الدین محمود

م۵۷ا اِنقلاب حقیقی، ص: ۱۱۰۔ سٹیم پریس، قادیان۔

۸۹۳ء۲۹۷ بشیر الدین محمود

م۱۵۷ا احمدیت، ص: ۱۷۱۔ پریس نامعلوم۔

۸۹۳ء۲۹۷ ظفر علی خان

ظ۳۱۰ا ارمغانِ قادیان، ص: ۲۷۔ مطبع کارواں پریس، لاہور۔

۸۹۳ء۲۹۷ حمید الحق

ح۶۷ا اِمام مہدی، ص: ۳۵۔ ناشر: حمید الحق، شیخوپورہ۔



حالاتِ حاضرة

بری راہوں کے مسافر

محمد سلیم چنیوٹی

دہشت زدہ ماحول کے اثرات کا نتیجہ ہے کہ آئے روز دہشت گردی کے واقعات، قتل وغارت گری، گھریلو ملازمین (مرد وخواتین اور بچوں) کا قتل، ڈاکے، چوریاں، طویل مدت سے جاری خاندانی جھگڑوں اور مقدمات لڑتے ہوئے عدالتوں میں پیشیوں کے وقت فائرنگ سے کیے گئے قتل جیسے اندوہ گیں واقعات سے ہر دلِ دردمند رکھنے والا انسان دکھی اور افسردہ نظر آرہا ہے۔

کراچی میں جاری بم دھماکے، ٹارگٹ کلنگ، مذہبی وسیاسی لوگوں پر حملے، کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے شہروں اور پاکستان کے دیگر شہروں میں ہونے والی لرزہ خیز وارداتیں اور اب حکومتی اداروں اور پاک فوج کے جوانوں پر حملے کسی گہری سازش کی نشان دہی کررہے ہیں۔

اسلام جیسے پاکیزہ دین میں جہاں ایک انسان کی عظمت واحترام کو بیان کیا گیا ہے وہیں ناحق قتل کی شدید مذمت بھی فرمائی ہے، چنانچہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۲ کے ایک حصے میں فرمایا گیا ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾[المائدۃ: ۳۲]

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور (ناحق) وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کی جان بچائی، اس نے گویا تمام انسانوں کی جان بچائی۔''

یہود وہنود کے آلۂ کار اور طاغوتی طاقتوں کے پروردہ افراد اور ایجنٹ آج کل پورے جوبن پر ہیں۔ اللہ کریم اور رسول اللہ ﷺ کے پیارے دین سے وابستہ افراد کو ان طاقتوں سے ہمیشہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

اُمت مسلمہ کے دینی راہنما اور علمائے کرام جو اپنی ملت کا درد اپنے سینوں میں سمائے ہوئے ہیں، انھیں ضرور بہ ضرور میدانِ عمل میں رہتے ہوئے اپنے اپنے حلقے کے افراد کی اصلاح وتربیت کا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن اپنی نورانی تعلیمات کی روشنی ہم لوگوں پر یوں ڈالتا ہے، فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾[الفرقان: ٦٨]

''وہ (رحمٰن کے بندے) اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔''

اس کے باوجود جو لوگ ناحق قتل وغارت گری کرتے ہیں اور اپنے غلط ہتھکنڈوں کے ذریعے دین میں فساد اور دنیا میں دہشت پھیلائے ہوئے ہیں، انھیں اپنے پروردگار کے سامنے حضوری کا ڈر اپنے سینے میں بساتے ہوئے یوم آخرت کی شرم ساری سے بچنے کے لیے اپنے اس فعل شنیع سے باز آجانا چاہیے۔ بہ صورت دیگر اس سزا کے لیے خود کو تیار کرلیں جو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی بیان فرمائی ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾[النساء: ۹۳]

''جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔''

ہمارے معاشرے میں اللہ کے سچے دین اسلام کی تعلیمات کا انکار اور اللہ کے سچے و آخری رسول حضرت محمد کریم ﷺ کی سچی تعلیمات سے روگردانی ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس سچے راستے کو چھوڑ کر منکرات وخرافات کی اس دلدل میں بُری طرح پھنس چکے ہیں جہاں سے نکلنا ناممکن تو نہیں، مشکل ضرور ہے۔ ہم بدعات و رسوم کو اس قدر پھیلاتے جارہے ہیں کہ اسلام کی اصل تعلیمات نظروں سے اوجھل ہو چکی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے اور اپنے اللہ مالک وخالق کی توحید کا دم بھرنے والے آج کہاں چلے گئے کہ اُنھوں نے دعوت و ارشاد کا اپنا اصل کام چھوڑ دیا ہے اور اس کے بدلے دنیاوی جاہ وحشمت اور سیاسی دکان داری کو چمکانے میں مصروف نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔

قرآن کریم کی آیات اور احترام نفس کے اولین مخاطب وہ اہل عرب تھے جن کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قیمت ہی نہ تھی اور جو اپنے فائدے کی خاطر اپنی اولادوں کو بھی جان سے مار دیتے تھے۔ ان حالات میں نبی کریم رؤوف الرحیم ﷺ ان لوگوں کی تربیت و اصلاح کے لیے خود بھی ہمیشہ احترام نفس کی نہ صرف یہ کہ مؤثر تلقین فرماتے رہے بلکہ اپنے عمل سے اسے قابل العمل بنا کر بھی دکھا دیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے آپ ﷺ نے ہمیشہ ڈرایا۔ جہنم کی سختیوں اور آخرت میں حساب کا ذکر فرما کر عرب کے بدوؤں کو ان کے دلوں کی سختی کم کرنے کی طرف توجہ دلائی تو یہی لوگ آگے چل کر نرم خوئی کی زندہ مثال بن گئے۔ زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ جھگڑالو اور لڑاکے تھے وہ رقیق القلب اور راتوں کو اپنے اللہ کریم کے سامنے رونے والے بن گئے۔ ان کی شقاوتِ قلبی سعادت مندی میں اور سختی نرمی میں بدل گئی۔

آج اگر ہم بھی بھولے بھٹکے راستوں کو چھوڑ کر اسی راستے کو اپنا لیں جن پر عرب کے بھٹکے ہوئے مشرک اور بت پرست لوگوں نے ''آمنا و صدقنا'' کہا تھا اور وہ زمانے کے بہترین لوگوں میں شمار ہونے لگے تھے تو ہماری زندگی میں بھی سکون واطمینان پیدا ہوسکتا ہے۔

آیئے! ہم سب مسلمان مل کر خود بھی اپنے اللہ کریم کے سچے فرمان قرآن کریم اور احادیث مصطفیٰ وسنت خیر الوریٰ پر عمل کرتے ہوئے اپنے راستوں کا تعین کرتے چلیں اور ان بُری راہوں کے مسافروں کو بھی صحیح راہوں کا سفر اختیار کرنے کی تلقین کریں۔ یقیناً یہ راستہ وہی راستہ ہے جس کا اختتام جنت کی صورت میں ہوگا۔ اور یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں سے کر رکھا ہے۔

دعائے صحت

ممتاز عالم دین محترم مولانا حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ خطیب جامع مسجد محمدی اہل حدیث ومہتمم معہد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راولپنڈی 26 جنوری 2014ء کو عارضہ قلب کے باعث علیل ہو گئے۔ انھیں فوری طور پر ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ جماعت کے مخلصین علماء وطلبائے کرام سے مولانا موصوف کی صحتِ کاملہ وعاجلہ کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

....

محقق العصر حضرت مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ (دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالا) گزشتہ دنوں بہ عارضہ گردہ علیل ہو گئے۔ کراچی میں ان کے گردے کا آپریشن کر دیا گیا ہے۔ وہاں آئی سی یو میں زیر علاج ہیں۔ احباب جماعت سے ان کی صحت کاملہ وعاجلہ کی دعاؤں کی درخواست ہے۔ (حافظ محمد ریاض عاقب، ملتان)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

اے میری بہن! کیا آپ جنت میں جانا چاہتی ہیں؟

مؤلف: عبدالقدوس سلفی

ضخامت: ۱۶۰صفحات

ناشر: دارالسیاف، مچھلی منڈی، اردو بازار، لاہور۔

تبصرہ نگار: ام عبدِمنیب

اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوقات پیدا کیں ان سب میں سے افضل شاہکار انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، ان میں روح پھونکی، علم الاسماء سکھایا، مسجودِ ملائک بنایا، مزید برآں ان کی تنہائی کو دور کرنے کے لیے ان کا جوڑا، یعنی عورت کو بھی پیدا کیا۔ اور پھر اس کے اندر ایک ایسی جاذبیت کو رکھ دیا کہ مرد اس کی طرف بے اختیار کھنچا چلا آتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عورت جس قدر محبوب و مرغوب ہے، دانش ورانِ دہر کے لیے ہر دور میں یہ اسی قدر پیچیدہ بھی رہی ہے۔ یہ جس قدر وفا شعار ہے، اسی قدر بے وفا بھی، یہ جتنی حسین ہے اس قدر کریہہ بھی، یہ جس قدر عفت مآب ہے اسی قدر فحش آلود بھی۔ یہ جب گرتی تو اپنے ساتھ پورے خاندان اور پوری قوم کی گراوٹ کا سبب بنتی ہے اور جب سنبھلتی ہے تو پوری قوم سنبھل جایا کرتی ہے۔

کائنات کی ہر چیز میں اس کے اچھے اور بُرے استعمال کی صورت میں خیر کے ساتھ شر بھی موجود ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اس چیز سے فائدہ اٹھانے اور اس کے شر سے بچنے کے لیے واضح اقدامات لوگوں کے سامنے پیش کیے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عورت کے متعلق ارشادات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے:

❁......((ماتركت بعدي فتنة أضر على الرجال من النساء .))(صحيح بخاري، رقم: ۵۰۵۹)

''میں نے اپنے پیچھے مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔''

❁......''عورت شیطان کی طرح آتی اور شیطان کی طرح پیٹھ موڑتی ہے، لہٰذا جب تمھاری کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آ کر اپنی ضرورت پوری کرے۔ ایسا کرنے سے اس کے دل سے اس عورت کا خیال جاتا رہے گا۔''(صحیح مسلم، رقم:۱۴۰۳)

❁......''عورت پوری کی پوری ستر ہے۔ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے۔ اور اس کے لیے اپنے گھر کے گوشے میں رہنا اللہ کی رحمت کا باعث ہے۔''

(صحیح ابن خزیمہ، رقم:۱۶۸۵)

شریعتِ اسلامیہ نے ان تمام جگہوں پر ستر و حجاب کے مضبوط قانونی بند باندھ دیے جہاں یہ خدشہ تھا کہ عورت کی وجہ سے شر کا شرارہ بھڑک اُٹھے گا۔ اسلام نے جہاں عورت پر بہت سی پابندیاں عائد کیں ہیں وہیں مردوں کو کھلا نہیں چھوڑ دیا بلکہ مرد پر عورت سے بھی زیادہ پابندیاں لگائیں تاکہ معاشرہ عفت مآب اور پُرسکون رہے۔

ناچنے، تھرکنے اور غیر مرد کی باہوں میں پھڑکنے کو روشن خیالی اور ترقی پسندی کی علامت قرار دیا گیا۔ عورت کو گھر سے اُٹھا کر مسافروں کا دل بہلانے کے لیے ہوئی اور زمینی گاڑیوں میں بھرتی کیا گیا، وردی پہنا کر اسے ٹریفک سارجنٹ کے طور پر کھڑا کر دیا گیا، ہر دکان

پر استقبالیہ اس کے حوالے کیا گیا تا کہ وہ اپنی نسوانیت اور مسکراہٹ بیچ کر دکان دار کی گاہکی بڑھائے، اسے پبلسٹی کے نام پر سجا بنا کر اس کے برہنہ اور نیم برہنہ جسم کو اشتہارات کی صورت میں دکانوں، چوراہوں پر آویزاں کر دیا گیا۔

علمائے دین نے ہر دور میں فتنوں کی سرکوبی کے لیے اپنے فرائض کو بہ خوبی ادا کیا، چنانچہ اُنھوں نے عورت کو اس کا صحیح مقام یاد دلانے اور اسے راہِ راست پر لانے کے لیے قلم پکڑ لیا اور نصیحت و خیر خواہی کا حق ادا کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔

عبدالقدوس سلفی ایک ہونہار صاحب قلم ہیں جنھوں نے اپنا فرض ادا کرنے کے لیے قلم اُٹھایا اور بڑی ہم دردی، محبت، خیر خواہی اور اسلامی انداز سے اسے اس کی تخلیق کا مقصد سمجھایا ہے۔ اس کا دنیا میں مقام کس قدر بلند ہے اور وہ اپنے اس مقام کی حفاظت کیسے کر سکتی ہے؟ آخرت پر ایمان کا تقاضا کیا ہے؟ قبر، حشر اور میزان پر نجات پانے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے؟

ستر و حجاب اس کی عزت و آبرو کا کتنا بڑا محافظ ہے، قبر میں سوالات کیا ہوں گے اور ان کے جوابات کی تیاری کیسے کرنی ہے؟ اس عارضی حسن کے بدلے جنت کا حسن بے بدل کس قدر پاکیزہ اور پائیدار ہوگا، عریاں لباسی جیسے فیشن میں گرفتار ہونے کی بجائے پورا لباس پہن کر جنت کی خلعت فاخرہ حاصل کرنے کے لیے کس جتن اور محنت کی ضرورت ہے؟

گناہوں پر سینہ زوری کا انجام کیا ہوگا؟ جھکی ہوئی حیادار نظر کس قدر متاعِ گراں مایہ ہے؟ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ کے حضور توبہ و ندامت کے آنسو بہانا اللہ کے کس قدر قریب کر دیتا ہے؟ ان سب سوالوں کے جواب اس کتاب میں دیے گئے ہیں۔

برخوردار عبدالقدوس سلفی نے محبت، نرمی، خیر خواہی، گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی سزا اور نیکی و تقوے پر اس کی نعمت و اِکرام بیان کر کے، متقی عورتوں کے احوال سنا کر اور فاحشہ عورتوں کے بدانجام واضح کر کے بڑے عمدہ اور ناصحانہ انداز میں اپنے فریضے سے سبکدوشی کی بھرپور کوشش کی ہے۔

اُمید ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر صرف عورتیں ہی نہیں مردوں کو بھی بہت کچھ حاصل ہوگا، گو اِدارہ ''دارالسیاف'' اس سے قبل ''اے میرے بھائی! کیا آپ جنت میں جانا چاہتے ہیں؟'' کے نام سے نوجوانوں کے لیے بھی اسی قسم کی کتاب شائع کر چکا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی تحریریں لکھنے والوں کے ہاتھ اور قلم میں برکت عطا کرے اور ایسی تحریر اپنے صفحات سے نقل ہو کر عمل میں ڈھل جائے، آمین۔

اس کتاب کا اندازِ تحریر عرب مصنفین کی طرح ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فاضل مؤلف نے عربی کی ایک کتاب کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے پیش نظر رکھا جس کا نام ''هل تريدين الجنة'' ہے۔

۱۶۰ صفحات کی اس کتاب کا سرورق اور کاغذ خوب صورت ہے۔ اُمید ہے ادارہ 'دارالسیاف' اس طرح کی مزید نفع رساں کتابیں قارئین تک پہنچاتا رہے گا۔



صہیونیت (قرآن مجید کے آئینے میں)

مصنف: انجینئر مختار فاروقی

ضخامت: ۲۹۹ صفحات

قیمت: ۴۲۵ روپے

ناشر: مکتبہ قرآن اکیڈمی، لالہ زار کالونی نمبر۲، ٹوبہ روڈ، جھنگ صدر۔ فون: 047-7630861

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

معرکہ خیر و شر ہمیشہ سے ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ قرآن مجید میں ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ سے مراد یہود و

نصاریٰ ہیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمودہ اور نبی آخر الزماں حضرت محمد کریم ﷺ پر اُترنے والا معجزہ ہے۔اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نے قرآن کریم کے ذریعے مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی اور اس کے ذریعے اس کے ماننے والوں کو ان کے دشمن بھی بتا دیے تا کہ وہ ان لوگوں کی شرارتوں اور ان کی ریشہ دوانیوں سے بچ بچا کر آگے بڑھتے رہیں۔

''صہیونیت'' کے خدوخال کیا ہیں اور ایسے لوگوں کی نفسیات کیا ہوتی ہیں وغیرہ، ان کا جواب بہ ذریعہ وحیِ الٰہی اور نبی کریم ﷺ کے فرامین سے ہمیں معلوم ہوسکتا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب ''صہیونیت'' (قرآن کریم کے آئینے میں) جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے بڑی جدوجہد اور محنت سے مرتب فرمائی ہے۔اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ان ابواب میں ''صہیونیت'' یعنی یہود و نصاری کی حقیقت بہ ذریعہ قرآن کریم عیاں کی گئی ہے۔صہیونیت کے خدوخال، صہیونیت اول روز سے ۶۱۰ء تک، صہیونیت کی قتل انبیائے کرام علیہم السلام کی روش اور انکارِ ختم نبوت، صہیونیت کا منطقی انجام وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل مواد کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

صہیونیت ایک سوچ اور فکر ہے۔یہ ایک ایسا گروہ ہے کہ کسی وقت بھی یہ اپنے داؤ لگانے سے پیچھے نہیں رہتا۔شیطان اس کا راہنما اور شر اس کی پہچان رہی ہے۔دنیا کے وسائل اور معیشت پر قبضہ اس کا خواب ہے۔اسلام کی نورانی تعلیمات اور اس پر عمل پیرا مسلمانوں سے اسے خاص دشمنی ہے۔

تجربہ بتاتا ہے کہ جہاں بھی اسلام اور اس کے ماننے والے نمایاں ہوتے ہیں، صہیونی پنجہ استبداد وہیں آمقابل کھڑا ہوتا ہے۔یہ معرکۂ خیروشر ہے، جو بپا ہے۔شیطان اپنی چال چلتا ہے اور عبادالرحمٰن اس کے مقابل اپنے اللہ کا پیغام یوں ہی پہنچاتے رہے ہیں۔

زیرتبصرہ کتاب بڑی پُر از معلومات کتاب ہے۔یہود و نصاریٰ کی کامل تاریخ اور اس کے عقائد و خیالات اس میں بیان کیے گئے ہیں۔قرآن کریم اور اس کی واضح تعلیمات بھی اس میں شامل ہیں۔اس اہم کتاب کا مطالعہ ہر دل درد مند رکھنے والے اہل علم و اہل ذوق کو کرنا چاہیے اور اپنی معلومات کے دائرے کو ضرور وسیع کرنا چاہیے۔

اس گئے گزرے دور میں ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے۔انجینئر مختار فاروقی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے یہ قیمتی معلومات فراہم کر کے خوانندگانِ گرامی کے لیے کتاب شائع فرمادی۔

کمپیوٹر کمپوزنگ، مضبوط جلد اور نیوز کا غذ استعمال کیا گیا ہے۔



فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری
دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور

جلد(۸):①نور الحق (اول)۔②نور الحق (دوم)۔ ③اتمام الحجۃ۔④سر الخلافۃ،ص:۴۳۱۔

جلد(۹):①انوار الاسلام۔②منن الرحمٰن۔③ضیاء الحق۔④نور القرآن(۱)۔⑤نور القرآن(۲)۔ ⑥معیار المذاہب،ص:۴۹۲۔

جلد(۱۰): ① آریہ دھرم۔ ②ست بچن۔③ اِسلامی اُصول کی فلاسفی،ص:۳۵۲۔

جلد(۱۱): ①انجام آتھم،ص:۳۴۷۔

جلد(۱۲): ① سراج منیر۔②استفتا۔③ حجۃ اللہ۔ ④ تحفہ قیصریہ۔⑤ محمود کی آمین۔⑥ سراج الدین عیسائی کے چارسوالوں کے جواب،ص:۳۷۴۔

جلد(۱۳): ① کتاب البریہ۔②البلاغ۔③ضرورۃ الامام،ص:۵۲۰۔

جلد(۱۴):①نجم الہدیٰ۔②رازِحقیقت۔③ کشف الغطاء۔④ایام الصلح۔⑤حقیقت المہدی،ص:۴۷۲۔

جلد(۱۵):① مسیح ہندوستان میں۔②ستارہ قیصریہ۔ ③تریاق القلوب۔④تحفہ غزنویہ۔⑤روئیداد جلسہ دعا،ص:۶۳۲۔

جلد(۱۶): ①خطبہ الہامیہ۔②لجۃ النور،ص:۶۷۴۔

جلد(۱۷): ① گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔②تحفہ گولڑویہ۔③اربعین،ص:۴۸۴۔

جلد(۱۸): ① اعجاز المسیح۔ ②ایک غلطی کا اِزالہ۔ ③دافع البلاء۔④الہدیٰ۔⑤نزول المسیح۔⑥ گناہ سے نجات کیونکرمل سکتی ہے۔⑦عصمت انبیاء،ص:۷۰۰۔

جلد(۱۹): ① کشتیِ نوح۔②تحفۃ الندوۃ۔③اعجاز احمدی۔④ریویو برمباحثہ بٹالوی وچکڑالوی۔⑤مواہب الرحمٰن۔⑥نسیم دعوت۔⑦سناتن دھرم،۴۸۰۔

جلد(۲۰): ① تذکرۃ الشہادتین۔②سیرۃ الابدال۔ ③لیکچر لاہور۔④اِسلام(لیکچر سیالکوٹ)۔⑤لیکچر لدھیانہ۔⑥رسالہ اُلوہیت۔⑦چشمہ مسیحی۔⑧تجلیات الٰہیہ۔⑨قادیان کے آریہ اور ہم۔⑩احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے،ص:۴۹۲۔

جلد(۲۱):①براہین احمدیہ(جلد پنجم)،ص:۴۲۸۔

جلد(۲۲):①حقیقۃ الوحی،ص:۳۰۹۷۔

جلد(۲۳):①چشمۂ معرفت۔②پیغام صلح،ص:۴۸۷۔

۲۹۷.۸۹۳ غلام احمد قادیانی (مجموعہ۴کتب)

غ۳۵ف فتح اسلام،ص:۸۰۔مطبع ریاض،امرتسر،ہند۔

۲۔توضیح مرام،ص:۹۲۔مطبع ریاض،امرتسر،ہند۔

۳۔اِزالۂاوہام(حصہ اول)،ص:۴۴۵۔

۴۔اِزالۂاوہام(حصہ دوم)،ص: ۹۴۸۔مطبع ریاض، امرتسر،ہند۔

۲۹۷.۸۹۳ غلام احمد قادیانی

غ۳۵ا اِزالۂاوہام،ص:۳۷۱۔مطبع ریاض،ہند۔

۲۹۷.۸۹۳ غلام احمد قادیانی

غ۳۵ح الحق یعنی مباحثہ دہلی ،ص: ۱۹۶۔ احمدیہ پرنٹنگ پریس،لاہور۔

(باقی صفحہ نمبر۲۷پر ملاحظہ فرمائیں)

الحذر!

حذر اے خواجگی اس دور کی خونیں نواؤں سے
الجھنے کو ہے محنت تیری بوسیدہ قباؤں سے
جبینیں خوار ہیں شیخ حرم کے آستانے پر
جھلکتی ہے خشونت خانقاہوں کی فضاؤں سے
اُدھر زُہّاد کی تقدیس پر ابلیس ہنستا ہے!
اِدھر دست و گریباں ہے زمانہ بے نواؤں سے
مری آواز پر چیں بر جبیں محراب و منبر ہیں
شکایت ہے ''فقیہ شہر'' کو میری صداؤں سے
ابھی تک تیغ استبداد کے شعلوں میں دم خم ہے
ابھی تک بوئے خوں آتی ہے سلطانی عباؤں سے
زلیخا زادیاں بیباک ہیں بازارِ عصمت میں!!
نمایاں ہیں لہو کے داغ عفت کی رداؤں سے
ابھی تک داستانِ ظالم و مظلوم باقی ہے
ابھی تک کھیلتے ہیں کھیلنے والے قضاؤں سے
کہاں جاؤں یہاں ہے قحط میرے ہم خیالوں کا
اُلجھنا چاہتا ہوں دورِ حاضر کے خداؤں سے

(شورش کاشمیری)